جاہلیت کے خلاف جنگ

عبدالعلیم اصلاحی

مکتبۃ الاقصیٰ
سعید آباد۔ حیدرآباد

جاہلیت کے خلاف جنگ

عبد العلیم اصلاحی

مکتبۃ الاقصیٰ
16-2-874/A/2 جیون یار جنگ کالونی سعید آباد۔ حیدر آباد۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

جاہلیت کیا ہے

بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانہ کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے جب کہ اللہ کے بندے نہ اللہ و رسول کو جانتے تھے اور نہ دین و شریعت سے واقف تھے۔ غرور، نخوت اور قبیلہ اور قوم کی عصبیت بے جا میں مبتلا تھے۔ مال و دولت اور جاہلانہ روایات پر فخر و مباہات کا ان میں عام چلن تھا۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا یغشی طائفۃ منکم و طائفۃ قد اھمتھم انفسھم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ یقولون ھل لنا من الامر من شیء قل ان الامر کلہ للہ یخفون فی انفسھم مالا یبدون لک یقولون لو کان لنا من الامر ماقتلنا ھھنا (آل عمران ۱۵۴)

ترجمہ :۔ پھر اللہ نے تم پر غم کے بعد اطمینان نازل فرمایا۔ یعنی نیند جو آکر تم میں سے ایک گروہ پر چھائی جارہی تھی اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی پڑی رہی۔ وہ اللہ کے بارے میں خلاف حق زمانہ جاہلیت کے قسم کی بدگمانیوں میں مبتلا رہے وہ کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں، ہمارا بھی کچھ حصہ ہے۔ ان سے کہہ دو سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے دلوں میں وہ کچھ چھپائے ہوتے ہیں، جو تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہوتا تو یہاں، ہم نہ مارے جاتے۔

افحکم الجاھلیتہ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم

یوقنون (المائدہ آیت نمبر)

ترجمہ :۔ توکیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہوسکتا ہے۔

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیتہ (سورہ الفتح)

ترجمہ :۔ جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی۔

ایک موقعہ پر ایک شخص نے کسی سے کہا۔ تم کالی عورت کے بیٹے ہو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انک امرء فیک جاھلیة" تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت ہے۔

اوپر ذکر کردہ پہلی آیت میں اللہ کے بارے میں برا گمان رکھنا، زندگی اور موت، نفع اور نقصان کا بالکلیہ اللہ کو مالک نہ ماننے کو جاہلیت بتایا گیا۔ دوسری آیت میں اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے طالب ہونے اور خدا کی شریعت پر کسی دوسرے قانون کو ترجیح دینے کو جاہلیت کہا گیا۔ تیسری آیت میں حق و صداقت کے بجائے کسی دوسرے محرک کے تحت کام کرنے کو جاہلیت قرار دیا گیا۔ اسی طرح آپ کے ارشاد میں رنگ روپ کو عزت وذلت کا معیار سمجھنا جاہلیت میں شامل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

معلوم ہوا کہ جاہلیت کا تعلق کسی زمانہ سے نہیں ہے، بلکہ حق کے خلاف عقائد خیالات، جذبات اور اعمال و اخلاق کا نام جاہلیت ہے۔ اس طرح لفظ جاہلیت پورے طور سے اسلام کی ضد اور بالمقابل لفظ ہے۔ اسلام کی بنیاد سراسر علم پر ہے۔ تمام حقائق کا علم رکھنے والے کی طرف سے بھیجا ہوا دین

ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا تھا کہ اس وقت علم کے بغیر محض وہم و گمان، قیاس یا نفسانی خواہشات کے تحت انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طور طریقے بنالیے تھے۔ لہذا یہ طرز عمل جہاں اور جس دور میں بھی انسان اختیار کرے گا اسے بہرحال جاہلیت کا ہی طرز عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ محض جزوی علم ہے، جو انسان کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا، لہذا خدا کے بھیجے ہوئے علم سے بے نیاز ہوکر جو طریقہ زندگی اور نظام زندگی جزوی علم کے ساتھ ظن و تخمین، اوہام و قیاسات اور ہوائے نفس کی آمیزش کر کے بنالیے جائیں گے، وہ بھی اسی طرح جاہلیت کی تعریف میں آئیں گے جس طرح عرب جاہلیت کے طرز فکر و عمل کو جاہلیت کہا گیا ہے۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ کے موقع پر شاہ حبشہ کے سامنے جاہلیت کو اس طرح بیان کیا تھا "اے بادشاہ ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ فحش کام کرتے تھے۔ رشتوں کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ اور پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے۔ ہمارا طاقتور کمزور آدمی کو کھا جاتا تھا"۔

قرآن میں مشرکین اور اہل کتاب کے جن جن اعتقادات اور اعمال کی تردید کی گئی ہے، وہ سب جاہلیت میں داخل ہیں۔ اس جاہلیت کے خلاف پورا قرآن سراپا اعلان جنگ ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس (۲۳) سالہ زندگی اسی جاہلیت کے خلاف لڑنے میں گزری۔ آپ نے کسی مرحلہ میں جاہلیت کے ساتھ مصالحت اور سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ میلان اور جھکاؤ تک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اور کیسے کر بھی سکتے تھے جب کہ قرآن نے مصالحت اور جھکاؤ سے قطعی طور سے منع کر دیا تھا اور بار بار تاکید کی گئی اور وعیدیں سنائی گئیں۔

قل یاایھاالکافرون لااعبدماتعبدون (سورۃ الکافرون)

ترجمہ :۔ کہدو !! اے کافرو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

فلاتطع المکذبین ودوالوتدھن فیدھنون (سورۃ لقلم ۸۔۹)

ترجمہ :۔ لہذا تم ان جھٹلانے والوں کے دباؤ میں ہرگز نہ آؤ یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔

وان کادو لیفتنونک عن الذی اوحینا الیک لتفتری علینا غیرہ واذالاتخذوک خلیلا ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا اذا لاذقناک ضعف الحیاۃ وضعف الممات ثم لاتجد لک علینانصیرا (سورۃ الاسراء ۷۳۔۷۵)

ترجمہ :۔ اے نبیؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے۔ تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنالیتے۔ اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔

وکذلک نفصل الایات ولتستبین سبیل المجرمین قل انی نھیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ قل لا اتبع اھواءکم قد ضللت اذاوماانامن المھتدین (سورہ الانعام ۵۵۔۵۶)

ترجمہ :۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ مجرموں کی راہ بالکل نمایاں ہوجائے۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ

تم لوگ اللہ کے سوا جن دوسروں کو پکارتے ہو ان کی بندگی کرنے سے مجھے منع کیا گیا ہے۔ کہو میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو گمراہ ہو گیا۔ راہ راست پانے والوں میں نہ رہا۔

قرآن کی ان جیسی تصریحات اور کھلے اعلانات کے بعد جاہلیت کے مقابلہ میں مکمل سپردگی، مکمل پسپائی اور پورے طور سے ہتھیار ڈال دینے کا سوال ہی کہاں باقی رہتا ہے، بلکہ نرمی، جھکاؤ اور مداہنت کی بھی گنجائش ختم ہو گئی۔ یہی وہ نقطہ ہے، جہاں سے خیر و شر اور حق و باطل کے تصادم اور معرکہ آرائی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ یہی ابتلاء اور آزمائش کا موڑ ہے۔ یہی صبر و ثبات اور استقامت کا مقام ہے۔ اسی موڑ سے حق و باطل کے قافلوں کی راہیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ اسی مقام پر معلوم ہوتا ہے کہ کون صحیح معنی میں حق پرست اور مخلص ہے، اور کون محض حق کا دعویدار اور ایمان و یقین میں ناپختہ اور کچا ہے۔ خباب بن ارت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے مشکلات اور مصائب کی شکایت کی اور کہا کہ کیا آپ اللہ سے مدد کے لئے دعا نہ فرمائیں گے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم سے پہلے کے لوگ تھے، انہیں گڑھے میں ڈال دیا جاتا تھا۔ ان کے سر پر آرا رکھ کر چیر دیا جاتا تھا اور لوہے کی کنگھی سے گوشت ان کی ہڈی سے الگ کر دیا جاتا تھا۔ پھر بھی یہ چیز انہیں دین سے پھیر نہ سکی اور تم اتنے ہی میں گھبرا گئے۔

قرآن میں اصحاب الاخدود کے قصہ کو بطور مثال پیش کیا گیا کہ انہیں آگ کے الاؤ میں ڈال دیا گیا اور انہوں نے اس طرح جان دینی گوارا کر لی مگر دین سے نہ پھرے۔ ان کے واقعہ میں ہے کہ ایک عورت آگ میں جانے سے کترا رہی تھی۔ اللہ نے اس کے شیر خوار بچہ کو گویائی دے دی اور بچہ بول

پڑا امی صبر کرو آپ حق پر ہیں۔

حبیب بن زید انصاری کا واقعہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ان سے کہا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ میں نہیں سنتا۔ وہ سوال کرتا جاتا اور ان کے جسم کا تھوڑا تھوڑا حصہ کاٹتا جاتا۔ لیکن وہ اپنے عقیدہ پر قائم رہے اور ذرہ برابر مداہنت سے کام نہیں لیا۔

دور فاروقی میں عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کو ایک جنگ میں رومیوں نے قید کر لیا۔ انہیں شاہ روم کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم نصرانی بن جاؤ، میں تم کو اپنی بادشاہت میں شریک کرلوں گا اور اپنی بیٹی سے تمہاری شادی کردوں گا، تو انہوں نے جواب دیا تم اگر پوری سلطنت دے دو اور عرب کی پوری ملکیت دے دو تو بھی میں دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ پھروں گا۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ نے دھمکی دی کہ میں تم کو قتل کردوں گا۔ بولے تم جو چاہو کرو۔ اس کے بعد انہیں سولی پر لٹکا دیا گیا اور تیر انداز انہیں تیر مارنے لگے اور ساتھ ہی نصرانیت قبول کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ لیکن وہ انکار کرتے رہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ان کو سولی سے اتارنے کا حکم دیا۔ انہیں اتار دیا گیا پھر کیا ہوا۔ ان کی نظروں کے سامنے ایک مسلمان قیدی کو لایا گیا اور اسے کھولتے پانی میں ڈال دیا گیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کے گوشت ہڈیوں سے الگ ہوگئے۔ یہ دکھا کر حضرت عبداللہ سے کہا گیا۔ نصرانیت قبول کرو ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ مگر وہ ذرہ برابر بھی متزلزل نہ ہوئے اور کسی نرمی کا مظاہرہ نہ کیا۔ اس کے بعد ان کو بھی کھولتے ہوئے پانی میں ڈالنے کے لئے اٹھایا گیا۔ اس وقت ان کی آنکھ سے آنسو نکل گئے یہ دیکھ کر بادشاہ کو خیال ہوا کہ اب یہ آدمی ڈر گیا ہے لہذا نصرانیت قبول

کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے گا - فوراً حکم دیا کہ اس آدمی کو میرے پاس لایا جائے - وہ لائے گئے - اور نصرانیت قبول کرنے کی بات دہرائی گئی تو بھی ان کی کیفیت میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں پائی - جب رونے کا سبب بادشاہ نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں صرف اس لئے رویا کہ میرے پاس ایک ہی جان ہے، جو اس وقت ختم ہوجائے گی - اے کاش ! میرے جسم میں جتنے بال ہیں اتنی ہی جانیں ہوتیں، جن کو فی سبیل اللہ یہ سزا دی جاتی - یہ جواب سن کر بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا - اور نہایت متاثر ہوا اور کہا کہ میرے سر کو تم بوسہ دو میں تم کو آزاد کردوں گا - حضرت عبداللہ نے کہا تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کرو گے - بادشاہ نے کہا ہاں - اس کے بعد انہوں نے اس کے سر کو بوسہ دیا اور سب مسلمان آزاد ہوگئے -

عبداللہ بن حذافہؓ جب آئے تو بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا گیا حضرت عمر فاروقؓ نے کہا - ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہؓ کے سر کو بوسہ دے اور سب سے پہلے میں ان کو بوسہ دیتا ہوں -

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ایمان و یقین کی یہ کون سی منزل ہے، جہاں ہمارے اسلاف پہنچے ہوتے تھے کہ حیرت میں ڈال دینے والے اعمال کا ان سے صدور ہوتا اور جان دے دینا ان کے لئے آسان تھا - حکمت اور مصلحت کے نام پر کوئی حیلہ بہانہ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے - رخصت، جواز اور گنجائش تلاش کرنے کے بجائے مشکلات اور خطرات کو جیسے خود دعوت دے رہے ہیں اور باطل کے مقابلہ میں نرمی اور مداہنت کو غیرت ایمانی کے منافی سمجھتے تھے

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی جانب ہجرت کی نیت سے نکلے - ایک مقام برک غماد تک پہنچے تو قبیلہ قارہ کا سردار ابن دغنہ ملا - اس نے

پوچھا کہاں کے ارادے ہیں۔ حضرت صدیق نے کہا۔ میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ زمین میں جہاں چاہوں پھروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔۔ ابن دغنہ نے کہا آپ جیسا آدمی جو مصائب میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ مجبور کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ محتاج کی حاجت روائی کرتا ہے اور مہمان کی ضیافت کرتا ہے۔۔ اس کو کیسے نکالا جاسکتا ہے۔ آپ کو میں پناہ دیتا ہوں۔ اس کے بعد ابن دغنہ حضرت صدیق کو اپنے گھر لایا اور کہا کہ آپ یہاں اپنے رب کی عبادت کیجئے۔ ساتھ ہی ابن دغنہ نے پورے قبیلہ میں اعلان کر دیا کہ ابو بکر کو میں نے پناہ دی ہے۔ یہ سن کر قریش نے کہا ٹھیک ہے، لیکن ابو بکر سے کہو کہ اپنی نماز اور عبادت خاموشی سے ادا کریں۔ اعلان نہ کریں اور ہمیں تکلیف نہ دیں۔ اندیشہ ہے کہ ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ حضرت صدیقؓ اس طرح سے اپنے دن گزار رہے تھے۔ قریش کے بچے اور عورتیں حضرت کی قرأت سنتے، نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے۔ اس سے قریش کو پریشانی شروع ہوگئی۔ اور بار بار ابن دغنہ سے شکایت کرنے لگے۔ آخر کار اس نے حضرت صدیق سے کہہ دیا کہ اگر آپ خاموشی سے نہیں رہنا چاہتے تو میرا ذمہ واپس کردو۔ اور جہاں مرضی ہو چلے جاؤ۔ پھر کیا تھا، بلا تامل حضرت صدیق نے اس کا ذمہ واپس کر دیا اور نکل گئے۔ ظاہر ہے ان کے لئے کوئی محفوظ مقام نہ تھا۔ کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ لیکن غیرت ایمانی نے کسی طرح کی بے مائیگی کا اظہار نہ کیا۔ اور انہیں یہ برداشت نہ ہوا کہ محض سہولت اور آسائش کی خاطر اہل مکہ کے خوف کو اپنے اوپر اثر انداز ہونے دیں اور حالات کے دباؤ کے تحت کوئی حکمت عملی اپنانے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ جب ایمان لائے تو لوگوں سے پوچھا کہ کسی بات کو بہت زیادہ عام کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ لوگوں نے بتایا۔ جمیل بن عامر، حضرت

فاروق جمیل کے پاس گئے۔ اس سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے میں نے محمد کا دین قبول کر لیا ہے اور میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ یہ سنتے ہی جمیل سیدھے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑا ہو کر بلند آواز سے پکارا۔ قریش کے لوگو! تمہیں معلوم ہے ابن خطاب بے دین ہوگیا ہے۔ حضرت فاروق بھی اس کے پیچھے تھے زوردار آواز میں بولے۔ اس نے جھوٹ کہا میں مسلمان بن گیا ہوں۔ یہ سنتے ہی کئی لوگ حضرت عمرؓ سے ہاتھا پائی کرنے لگے اور حضرت بھی اپنی مدافعت کرنے لگے۔ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ حضرت اکیلے تھے، تھک کر بیٹھ گئے اور لوگ گھیرے ہوئے تھے۔ حضرت نے کہا اس وقت تم جو چاہو کرلو۔ لیکن اگر ہم تین سو ہوگئے تو خدا کی قسم تمہاری مجال نہیں کہ تم کچھ کر سکو۔ یہ تنازع چل ہی رہا تھا کہ قریش کا ایک معمر آدمی آگیا اور اس نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ اور کہا کہ ایک آدمی نے اپنے لئے ایک چیز پسند کرلی ہے، اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی عدی کے لوگ اپنے ایک آدمی کے ساتھ تمہارے اس سلوک کو گوارا کرلیں گے۔

حضرت فاروق کے اس طرز عمل کی کیا توجیہ کی جائے۔ ہمارے ذہنوں میں دعوتی حکمت اور حکمت عملی کا جو تصور جما ہوا ہے، اس سے اس طرز عمل کا کوئی میل نہیں ہے۔ ہمارا دانشور تو یہی کہے گا کہ یہ طرز فکر "آبیل مجھے مار" کے مترادف ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کسوٹی ہماری دانشوری اور حکمت عملی نہیں ہے، بلکہ نمونہ عمل سلف صالحین کے عمل کو ہی بنانا زیادہ صحیح ہے۔ اس اصول کے تحت ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ ایمان آگ کی ایک ایسی چنگاری ہے جو دیر تک راکھ میں دبی نہیں رہ سکتی۔ اور دبانے پر شعلہ بن جانے سے اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ ساتھ ہی یہ کہنا پڑتا ہے کہ ایمان و یقین کا جہاں، عقل و خرد اور دانشوری کے جہاں سے بہت آگے ہے۔

شاید یہی بات ہے جو علامہ اقبال کہنا چاہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

دیکھئے۔ ایک روز اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہیں۔ گفتگو چل رہی ہے کہ قریش نے ابھی قرآن نہیں سنا ہے، کون ہے جو ان کو سنانے کی ہمت کرے۔ عبداللہ بن مسعود بول پڑے۔ میں۔ ساتھیوں نے کہا تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ اس کے لئے کسی ایسے آدمی کو اٹھنا چاہیے، جس کے قبیلہ کے لوگ اس کی حفاظت کر سکیں۔ انہوں نے کہا چھوڑو یہ بات۔ میری حفاظت میرا اللہ کرے گا۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کے قریب جا کر کھڑے ہوئے اور بسم اللہ کر کے الرحمن علم القرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر قریش کے لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور خوب خوب مارا۔ مار کھا کر جب وہ واپس آئے تو ساتھیوں نے کہا اسی چیز کا ہمیں اندیشہ تھا۔ انہوں نے کہا اس سے کیا ہوتا ہے اگر تم چاہو تو کل میں پھر ان کو سناؤں گا۔ لوگوں نے کہا نہیں نہیں۔ اتنا کافی ہے۔ گویا مار کھا کر، اذیت برداشت کر کے بدست کافرانہ ذہنیت پر ضرب لگائی جارہی ہے۔ اور انسانی ضمیر کو بیدار کیا جارہا ہے اور دعوت توحید کو عنوان بنایا جارہا ہے۔ سوچنے کا ایک رخ یہ ہے اور دوسرا رخ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ اور باطل کو چھیڑا نہ جائے۔ ورنہ ماحول میں اضطراب پیدا ہوگا، اور دعوت کا موقع باقی نہ رہے گا۔ ان دونوں میں سے کون سا رخ صحیح ہے، کون بتائے۔

مکہ میں جب سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں تو کچھ صحابہ حبشہ ہجرت کر گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد انہیں خبر ملی کہ مکہ میں حالات خوشگوار ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ واپس آئے۔ لیکن مکہ کی صورت حال جوں کی

توں تھی۔ ایک صحابی عثمان بن مظعون، ولید بن مغیرہ کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور آزادی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔ جب کہ دیگر اصحاب رسول مشق ستم بنائے جارہے تھے۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ میں ولید کی پناہ میں آرام سے ہوں اور میرے ساتھی مصائب و مشکلات سے دوچار ہیں۔ یہ بڑا نقص ہے۔ چنانچہ ولید کے پاس گئے اور کہا تمہارا وعدہ پورا ہوگیا۔ اب میں تمہارا ذمہ واپس کرتا ہوں۔ اس نے کہا آخر کیا بات ہے کیا کسی نے کوئی تکلیف دی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پناہ میں رہوں۔ ولید نے کہا۔ اچھا تو جس طرح میں نے علانیہ تم کو پناہ دی تھی، اسی طرح علانیہ میرے ذمہ کو واپس کرو۔ اس کے بعد دونوں خانہ کعبہ کے پاس آئے اور ولید نے اعلان کیا کہ یہ عثمان ہیں جو آئے ہیں میرا ذمہ واپس کرنے۔ عثمان بن مظعون نے اس کی تصدیق کی۔ اور کہا ولید ایک شریف اور وعدہ کا ایفاء کرنے والا آدمی ہے، لیکن میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں۔

یہ غیرت ایمانی کی انتہائی حساسیت اور زندہ ضمیری کی ایک علامت ہے۔ اس میں صاحب ایمان آدمی کی سوچ اور فکر کے لئے ایک نمونہ ہے۔ اور مصلحت اندیش اور فراری ذہنیت والوں کے لئے سامان عبرت و نصیحت ہے۔

یہی حضرت عثمان بن مظعون قریش کی ایک مجلس شعر و سخن میں شریک تھے۔ لبید بن ربیعہ نے مصرع پڑھا۔ الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔ سن لو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ حضرت نے کہا صدقت تو نے سچ کہا۔ پھر لبید نے دوسرا مصرع کہا۔ کل نعیم لا محالہ زائل۔ ہر نعمت لا محالہ ختم ہونے والی ہے۔ اس پر حضرت عثمان نے کہا کذبت تو نے جھوٹ کہا۔ نعیم الجنتہ لایزول جنت کی نعمت ختم نہیں ہوگی۔ لبید کو اس سے سخت تکلیف

ہوئی - اس نے کہا قریش کے لوگو ! تمہارے ہم نشیں کی دل آزاری نہیں کی جاتی تھی - یہ نئی بات تمہارے اندر کب سے پیدا ہوگئی ہے - کسی نے دلاسا دیا اور کہا - یہ بے وقوفوں میں سے ایک بے وقوف ہے، جس نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا ہے - اس کی بات کا خیال نہ کرو - اس پر حضرت عثمان خاموش نہ رہے - معاملہ اور بڑھ گیا - اور اس آدمی نے حضرت عثمان کی آنکھ پر ایک طمانچہ مار دیا - ولید بن مغیرہ یہ تماشہ دیکھ رہا تھا - اس نے کہا - میرے بھائی تم ایک مضبوط ذمہ میں تھے اور تمہاری آنکھ اس طمانچہ سے محفوظ تھی - گویا اس نے احساس دلایا کہ تم نے میرا ذمہ واپس کر کے زبردست غلطی کی ہے - حضرت عثمان نے جواب میں کہا - میری یہ محفوظ آنکھ محتاج ہے اس جیسی مار کی - جو دوسری آنکھ کو اللہ کی راہ میں لگی ہے - خدا کی قسم میں اس ذات کی پناہ میں ہوں، جو تم سے زیادہ زبردست اور طاقتور ہے - ولید نے کہا - بھائی اب بھی تم میری پناہ میں آنا چاہتے ہو تو پھر آجاؤ حضرت عثمان نے کہا نہیں -

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ ہستیاں یقین اور معرفت کے کس بلند مقام پر فائز تھیں کہ مار کھائی ہوئی آنکھ دوسری محفوظ آنکھ کے مقابلہ میں ان کے نزدیک زیادہ خوش نصیب اور قابل رشک آنکھ تھی - حق کے لئے مار کھانا اور ستایا جانا ان کے لئے ہتک اور ذلت نہیں بلکہ باعث عزو شرف اور موجب اعزاز تھا - اسی چیز نے انہیں ایسا بنا دیا تھا کہ مشکلات راہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے - اور حالات کے دباؤ میں نہ سوچتے تھے اور نہ اقدام کرتے تھے - ان کی ہر سوچ آزاد اور حوصلہ مند اور ہر اقدام پر امید اور پرجوش ہوتا - ہر چیز کو اخروی پیمانہ، سود و زیاں سے ناپتے اور تولتے اور بس -

جنگ کے طریقے

جاہلیت کے خلاف جنگ ہر پہلو سے، ہر طریقہ سے اور ہر میدان اور ہر شعبہ زندگی میں قرآن و سنت کی رو سے مطلوب ہے - یہ جنگ جب اس لئے کی جاتی ہے کہ جاہلیت کو قلب و دماغ کے قریب پھٹکنے نہ دیا جائے اور آلائش دنیا سے پاک رکھا جائے، تو اس کو تعلیم کتاب اور تزکیہ، نفس کا نام دیا جاتا ہے - اور جب اسی جاہلیت کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنا اور اس کے انجام بد سے بچانا مقصود ہوتا ہے تو اس کو انذار و تبشیر اور دعوت و تبلیغ سے تعبیر کیا جاتا ہے - پھر اگر آگے بڑھ کر جاہلیت کے اثر و رسوخ، دبدبہ اور غلبہ کو ختم کرنے کے لئے علمبرداران جاہلیت کے ہاتھوں کو پکڑنے اور ان کے بڑھتے ہوئے قدم کو روکنے اور اہل حق کی راہ سے جاہلیت کے روڑوں کو ہٹانے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کو جہاد و قتال کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے - یہ سب اصطلاحات دراصل جاہلیت کے خلاف جنگ کے مختلف مرحلوں اور طریقوں کو ظاہر کرتی ہیں -

شریعت اسلامی کی تکمیل تیس سال کی مدت میں مرحلہ وار ہوئی ہے - مثلاً نماز پہلے دو دو رکعت پڑھی جاتی تھی - روزہ پہلے عاشوراہ کا رکھا جاتا تھا - اور شراب بتدریج حرام ہوئی - اسی طرح جاہلیت کے خلاف طریقہ، جنگ بھی تیس سال کی مدت میں، بتدریج مکمل ہوا ہے، جس کا جامع نام، جہاد ہے -

غار حرا میں آغاز وحی کے بعد پہلے خاموشی سے تبلیغ کی گئی - پھر اعلان کے ساتھ تبلیغ کی گئی - ہر ستم اور اذیت پر صبر کیا جاتا تھا - ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی - پھر دفاع کی اجازت دی گئی - اور کہا گیا کہ صرف ان سے لڑو

جو تم سے لڑتے ہیں ۔ اس کے بعد آخری حکم آیا کہ کافروں سے لڑو ۔ یہاں تک
کہ فتنہ ختم ہو جائے ۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وعظ و نصیحت
اور دعوت و تبلیغ کے مقابلہ میں جہاد کی اصطلاح ایک مکمل اور آخری
اصطلاح ہے، جس میں تعلیم و تزکیہ، انذار و تبشیر، دعوت و تبلیغ اور قتال سب
شامل ہیں ۔ غرض دین کی حمایت اور جاہلیت کا قلع قمع کرنے کے لئے جو آخری
اصطلاح کتاب و سنت میں ہمیں ملتی ہے وہ جہاد کی ہے ۔ اسی بات کو فقہاء کہتے
ہیں کہ جہاد کے دو شعبے ہیں ۔ ایک دعوت و تبلیغ اور دوسرے قتال ۔

شریعت کے سارے احکام میں آخری مرحلہ والے حکم کا اعتبار ہوتا ہے
شراب حرام ہے تو حرام ہے ۔ اب کسی کو یہ اختیار نہیں دیا جاسکتا کہ چونکہ
شراب بتدریج حرام کی گئی ہے، اس لئے وہ کہے کہ میں اپنے حالات کے تحت
شراب پیتا رہوں گا ۔ نماز شروع شروع دو رکعت پڑھنے کا حکم تھا ۔ لہذا میں کچھ
دنوں دو دو رکعت پڑھوں گا ۔ کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے ۔ میں ابھی
صرف یوم عاشوراء کا روزہ رکھوں گا ۔ کم از کم ۱۲ سال کے بعد رمضان کے
روزے کی پابندی کروں گا ۔ اس لئے کہ آغاز میں رمضان کے روزے فرض نہ
تھے ۔ اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ کسی کے لئے قطعاً یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ کہے کہ
حکم جہاد تیرہ سالہ مکی دور کے بعد نازل ہوا ہے ۔ لہذا ہمارے لئے حکم جہاد کی
بات کرنا صحیح نہیں ہے ۔ ہم ابھی دعوتی مرحلہ میں ہیں ۔ جہاد کا تذکرہ دعوت
کے لئے مضر ہے ۔ اسی طرز فکر کا یہ نتیجہ ہے کہ کئی لوگ غیر مسلموں کو قرآن
پڑھنے کے لئے دینا مناسب نہیں سمجھتے ۔ کیونکہ قرآن کی ترتیب ویسی نہیں ہے
جیسی دعوت کی ترتیب ان کے ذہنوں میں ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کو
آج دعوت کہتے ہیں، وہ وہ دعوت نہیں ہے جو دعوت، نمرود، فرعون اور
ابوجہل و ابولہب کو دی گئی تھی اور جس کی وجہ سے نار نمرود دہکائی گئی ۔ جس

کی بناء پر حضرت موسیٰ کو ملک مصر چھوڑنا پڑا۔ اور جس سے ابو جہل اور ابو لہب کی تیوریوں پر بل آ گئے تھے۔ جس کے سبب شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کو محصور کیا گیا تھا۔ اور دارالندوہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش رچائی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے معرکہ بدر و حنین برپا ہوئے۔ اور بالآخر جس کی وجہ سے خانہ خدا سے ۳۶۰ بتوں کو نکال باہر کیا گیا۔ ہماری دعوت تو صرف الا اللہ کی ہے لا الہ کا ذکر نہیں۔ اللہ کی عبادت ہمیں مطلوب ہے، لیکن بتوں سے بیر کے بغیر۔ رحمن کا ذکر ہم کرنا چاہتے ہیں، مگر رام کی چرچا کے ساتھ۔ دین کی دعوت ہم دیں گے لیکن ادیان باطلہ کی تردید کے بغیر۔ محمدؐ کے اسوہ کو اپنانے کا وعظ ہم کہیں گے، مگر پرکھوں کی محبت کا دم بھرتے ہوئے۔ قرآنی دستور کی خوبیاں ہم بیان کریں گے، لیکن سیکولر دستور کی مدح و ستائش کے ساتھ۔ ہم مسلمان بن کر جینے اور مرنے کی تمنا رکھتے ہیں، لیکن کفر و شرک کی چھایا میں۔ غرض دین کی ہر بات ہمارے سر آنکھوں پر سوائے جاہلیت کے خلاف جنگ کے۔ ورنہ ہمیں لوگ یہ طعنہ دیں گے غر هؤلا دينهم ان کو ان کے دین نے خبط میں مبتلا رکھا ہے۔ یعنی ہیں تو بے سر و سامان مٹھی بھر، لیکن چلے ہیں بات کرنے جہاد کی۔ ان کے مذہبی جنون نے انہیں ہوش و خرد سے عاری کر دیا ہے۔ اپنے جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں۔ نہ دین کی روح اور اسپرٹ سے واقف ہیں، نہ دینی فراست اور حکمت کا علم ہے۔

احکام میں فرق کرنے کی وجہ :۔ اپنی بات کی وضاحت کے لئے ایک سوال ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ نص صریح میں یہ چند احکام ہیں۔

اقيموا الصلوة واتوا الزكوة (سوره)

ترجمہ :۔ نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو۔

وادع الى سبيل ربك بالحكمة (سوره

ترجمہ :۔ اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو۔

قم فانذر (سورہ)

ترجمہ :۔ اٹھو اور ڈراؤ۔

بلغ ما انزل (سورہ)

ترجمہ :۔ جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔

ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت (سورہ)

ترجمہ :۔ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے کنارہ کش رہو۔

وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله (سورہ)

ترجمہ :۔ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔

اعدوا لهم ما استطعتم (سورہ)

ترجمہ :۔ ان کے لئے جہاں تک ہو سکے سامان حرب اکٹھا کرو۔

قاتلوهم حتی لا تکون فتنة (سورہ)

ترجمہ :۔ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔

اوپر آیات میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ سب ایک انداز سے صیغہ امر میں آئے ہیں۔ لیکن جب ملت اسلامیہ کے علمی اور عملی حالات پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو کھلے طور پر نظر آتا ہے کہ یکساں انداز اور اہمیت کے ساتھ ان احکام کو نہیں لیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر لوگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسی حکم کو اہمیت دیتے ہیں اور کسی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ایک بڑی تعداد میں لوگ اقامت صلوۃ کو اپنائے ہوئے ہیں لیکن ایتاء زکوۃ کے حکم پر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ کچھ لوگ نماز، روزہ اور زکوۃ کے پابند ہوتے ہیں، مگر دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو ناقابل توجہ سمجھتے ہیں۔ بعض حضرات نماز، روزہ کے ساتھ زندگی کے خاص شعبوں میں جائز، ناجائز، سنت اور بدعت، توحید اور شرک کے مسائل بہت

چھوڑتے ہیں، مگر طاغوت سے اجتناب والے حکم کو سننا بھی پسند نہیں کرتے۔
اسی طرح تبلیغ و دعوت کا نعرہ لگانے والوں کی بڑی تعداد اعداء اسلام کے مقابلہ میں آکھڑے ہونے یا کم از کم تیاری کرنے کو بے دینی کا کام خیال کرتے ہیں وعظ و نصیحت، تقریر و خطابت، درس قرآن اور درس حدیث میں مشغول حضرات کے سامنے جہاد کا ذکر بھی کسی نے کر دیا تو ایسا بدک جاتے ہیں جیسے دینی اور روحانی محفل میں فتنہ و فساد پھیلانے کی بات کہہ دی جائے۔ حالانکہ جہاد اسی طرح ایک شرعی اصطلاح ہے جس طرح صوم، صلاۃ حج اور زکوۃ۔ اس سے تنفر کی کیا وجہ ہے۔ سوچنے کی بات ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم بھی یہودیوں کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں جب کہ ان سے کہا گیا تھا۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون۔

ترجمہ :۔ کیا تم ایمان رکھتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ تم میں سے جو ایسا کریں گے ان کا بدلہ دنیا میں صرف رسوائی ہے اور روز قیامت سخت ترین عذاب کی طرف لے جائے جائیں گے اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔ ایک مثال اور دیکھئے۔

کتب علیکم الصیام (سورہ)

ترجمہ :۔ تم پر روزے فرض کیے گئے۔

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم (سورہ)

ترجمہ :۔ تم پر جنگ فرض کی گئی اور وہ تمہارے لئے ناپسندیدہ ہے۔

مذکورہ بالا دو آیتوں میں دو فرضوں کے بیان میں لفظ اور اسلوب دونوں یکساں استعمال کیے گئے۔ لیکن عملاً ہم دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

روزہ کے فضائل، شرائط اور ارکان و آداب کا بیان ہماری محفلوں میں خوب ہوتا ہے، مگر جنگ کے فضائل، شرائط اور واجبات و آداب کا بھولے سے ذکر خیر نہیں ہوتا۔ آخر کیا وجہ ہے؟

غور سے دیکھئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد کو بالکل یکساں انداز سے اہل ایمان کی ذمہ داری بتائی جاتی ہے لیکن یکساں انداز سے دونوں کا تذکرہ اور بیان کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ جس طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک پر وعیدیں آئیں ہیں، اسی طرح ترک جہاد کو بھی نکبت و ادبار اور ذلت و رسوائی کا سبب بتایا گیا ہے۔

انما المومنون اخوۃ "مومن آپس میں محض بھائی بھائی ہیں" کے حوالہ سے یہ تو ہم بیان کریں گے کہ مومن ہونے کا تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا خیر خواہ اور بھائی بن کر رہے، لیکن یہ بولنے کی ہمت کم ہوتی ہے کہ کوئی کہے کہ مومن ہونے کا تقاضا ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ جہاد بھی کرے۔ حالانکہ قرآن کا اسلوب بیان دونوں کے ذکر میں ایک جیسا ہے۔

انما المومنون الذین آمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون (سوۃ الحجرت۔ ۱۵)

ترجمہ:۔ مومن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا یہی لوگ ہیں سچے۔

ایک اور آیت پر غور کیجئے۔

قل ان کان آباءکم وابناکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا

احب الیکم من اللہ ورسولہ وجہاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین (سورۃ التوبہ ۲۴)

ترجمہ :۔ کہہ دو اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں ۔ تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں ، تو انتظار کرو ، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے ۔ اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا ۔

اس آیت میں اللہ اور رسول کی محبت اور جہاد فی سبیل اللہ کو ایک درجہ میں رکھا گیا ہے ، مگر جہاد کو ہم وہ درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں ، جو قرآن نے دیا ہے ۔ یہاں کوئی موقتی اور عارضی بات کہی گئی ہے یا ایک مستقل بات ہے ۔ اگر عارضی بات ہے تو اس کے لئے کوئی قرینہ ہونا چاہیئے اور اگر مستقل چیز ہے تو جہاں محبت خدا اور رسول کا چرچا ایک گھنٹہ ہوتا ہے وہیں کم از کم دس منٹ تو فضائل جہاد کے موضوع پر گفتگو ہونی چاہیئے ۔ اس عدم توازن کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ رات دن فی سبیل الشیطان جہاد میں مشغول ہوتے ہیں وہ بھی خدا اور رسول کی محبت میں سرشار سمجھے جاتے ہیں ۔ اور ان کے دعوئے محبت میں کسی کو تضاد نظر نہیں آتا ۔

مکی اور مدنی کا فرق :۔ اس موقع پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاد کا حکم مدینہ میں آیا ہے ۔ ہمارے حالات مکہ کے حالات جیسے ہیں ۔ ہم مکی دور سے گزر رہے ہیں ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ شرعی احکام کے درمیان مکی اور مدنی دور کا لحاظ کرتے ہوئے فرق کی بنیاد کیا کوئی صحیح بنیاد ہے ؟ قرآن میں احکام کی ترتیب مکی اور مدنی بنیادوں پر نہیں قائم کی گئی ہے ، بلکہ مدنی سورتیں پہلے ہیں جن میں

اجتماعی زندگی کے احکام ہیں - قرآنی تفاسیر، شروح احادیث اور فقہی کتب میں کہیں بھی مکی و مدنی بنیادوں پر احکام میں تفریق نہیں کی گئی ہے - اگر اس کو کوئی بنیاد تسلیم کرلیا جائے تو ایک بڑے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا - مکی دور کے نام پر اکثر معاشرتی اور اجتماعی احکام سے دامن چھڑایا جاسکتا ہے - جن چیزوں کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی ہے ان کو حلال ٹھہرانا ممکن ہوجائے گا - جو چیزیں مدنی دور میں فرض ہوئی ہیں ان کو بجالانا ضروری نہ قرار دیا جائے گا - غرض واجبات کے ترک اور منہیات کے ارتکاب کے جواز کے لئے راہ ہموار ہوجائے گی -

صحیح بات یہ ہے کہ اس اعتبار سے مکی اور مدنی دور کی تقسیم کوئی چیز نہیں ہے بلکہ خدا اور رسول کی طرف سے جتنے احکام آئے ہیں، ان سب کا ماننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ متعلق شخص میں استطاعت پائی جائے اور حکم کے لاگو ہونے کے شرائط پائے جائیں - بالفرض کچھ لوگوں میں اور کسی جگہ کسی حکم کے لئے استطاعت اور شرائط نہ بھی ہوں، تو بھی دین کے سارے اجزاء کا بیان اور تذکرہ تو ہونا چاہیئے تاکہ استطاعت اور شرط جہاں جہاں پائی جائے اس پر عمل ہو - دوسری اہم بات یہ ہے کہ کئی شرائط ایسے ہوتے ہیں جن کا مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہوتی ہے - چنانچہ یہ شرعی اصول ہے کہ جن چیزوں پر کسی واجب کی ادائیگی موقوف ہوتی ہے ان کو حاصل کرنا بھی ہم پر واجب ہوتا ہے - مثلاً نماز کی ادائیگی طہارت پر موقوف ہے تو طہارت کے وسائل مہیا کرنا اور طہارت حاصل کرنا اس شخص پر واجب ہے جس پر نماز فرض ہے - لہذا اصل چیز ہمارے سوچنے اور سمجھنے کی یہ ہے کہ وجوب جہاد کی علت کیا ہے - کن شرائط کے حامل افراد پر جہاد کی ادائیگی واجب ہوگی یعنی اس کی ادائیگی کے وجوب کے لئے کیا شرائط ہیں - اور تیسری بات یہ ہے کہ صحت

ادائیگی کے شرائط کیا ہیں ۔ مسئلہ کو واضح طریقہ پر جاننے کے لئے ان تینوں سوالوں کا جواب معلوم کرنا ہوگا۔

فرضیت جہاد کی علت :۔ فرضیت جہاد کے لئے جن نصوص سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے چند کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں :

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون (سورہ البقرۃ ۲۱۶)

ترجمہ :۔ تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

وقاتلوا المشرکین کافۃ کمایقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین (سورہ التوبہ ۳۶)

ترجمہ :۔ اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔

وقاتلوا الذین لایومنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یؤتوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون (سورہ التوبہ ۲۸-۲۹)

ترجمہ :۔ جنگ کرو اہل کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے ۔ اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے ۔ اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم , الجهاد واجب مع کل امیر برأکان اوفاجراً (ابوداؤد)

ترجمہ :۔ جہاد واجب ہے ہر امیر کے ساتھ نیک ہو وہ یا بے عمل۔

آپ نے ارشاد فرمایا۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله ویقیموا الصلوة و یوتوا الزکوة فاذا فعلوا عصموا منی دماءهم واموالهم الابحقها وحسابهم علی الله (مسلم شریف)

ترجمہ :۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں جب ایسا لوگ کریں گے تو مجھ سے اپنا خون اور اپنا مال محفوظ کرلیں گے مگر حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے حوالہ ہے۔

فرض کفایہ :۔ یہ ان آیات اور احادیث میں سے چند ہیں جن کی بناء پر جہاد کو بالاتفاق فرض سمجھا جاتا ہے۔ البتہ فقہاء اور علماء کی اکثریت فرض کفایہ مانتی ہے۔ کچھ لوگ فرض عین کہتے ہیں۔ سورہ توبہ آیت ۱۲۲ "فلولا نفر اور سورہ نساء آیت ۹۵ "لایستوی القاعدون" سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض کفایہ کہنے والوں کی رائے زیادہ انسب اور درست ہے۔ بعض سلف سے مستحب ہونے کا قول بھی منقول ہے، لیکن اس قول کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ دراصل یہ فرض عین والی بات کے بالمقابل رائے دی گئی ہے۔ یعنی فرض کے بالمقابل مستحب نہیں کہا گیا ہے بلکہ فرض عین کی نفی کرنا مقصود ہے۔ اس سے تائید فرض کفایہ والی رائے کی ہوئی ہے۔ اس توجیہ کی تائید میں یہ

بھی کہا جاتا ہے کہ جہاد کے سلسلہ میں جس طرح کی نصوص وارد ہوتی ہیں، ان سے فرضیت اگر نہیں ثابت ہوگی تو فرضیت کے لئے اور کیا دلائل ہو سکتے ہیں

فرض عین :۔ علماء کے نزدیک جہاد تین صورتوں میں فرض عین ہو جاتا ہے۔

(۱) جب دشمن مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کردے۔

(۲) جب مسلمانوں کا کوئی امیر ہو اور وہ جہاد کے لئے عام بلاوا کردے۔

(۳) جب مسلمان اور کفار میدان جنگ میں صف آراء ہو چکے ہوں۔

آئندہ ہم اس مسئلہ پر قدرے تفصیلی بحث کریں گے۔

معنوی علت :۔ جہاد کیوں فرض کیا گیا ہے، اس کے جواب میں مذکورہ آیات اور احادیث پیش کر دینا کافی ہے۔ لیکن انہیں نصوص سے علماء نے معنوی علت بھی اخذ کی ہے۔ امام شافعی نے معنوی علت کفر بتایا ہے اور جمہور فقہاء نے قتال کو معنوی علت بتایا ہے۔ ان دونوں رایوں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ امام شافعی کے قول کے مطابق ہر کافر سے جہاد کیا جائے گا اور ہر کافر کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن امام شافعی صاحب نے صراحت کے ساتھ "کتاب الام" میں کہہ دیا ہے کہ عورتیں، بچے اور عبادت خانوں میں جو لوگ مشغول عبادت ہوتے ہیں ان کو قتل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اس سے نکلتی ہے کہ ان کے نزدیک جزیہ لینا صحیح نہ ہوگا۔ مگر ایسی بات نہیں ہے۔ امام شافعی صاحب کے نزدیک جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں صاف ہے کہ اہل کتاب ماتحتی قبول کرتے ہوئے جزیہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔

جمہور کے قول سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ جو قتال نہ کریں ان سے جہاد نہ

کیا جائے گا ۔ جنگ صرف ان سے کی جائے گی، جو ہم سے جنگ کریں ۔ لیکن ایسی بات نہیں ہے بلکہ جمہور کے نزدیک یہ طئے شدہ امر ہے کہ جو جنگ نہ کریں ۔ اپنے علاقہ میں سکون سے بیٹھے رہیں ۔ ان سے بھی جنگ کی جائے ۔ یہاں تک کہ یا تو اسلام قبول کریں یا ماتحت بن کر جزیہ دینا قبول کر لیں ۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے امام شافعی اور دوسرے فقہاء کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے ۔ اس ضمن میں ہم سورہ توبہ کی آیت ۲۹ پر علماء کے چند نوٹ یہاں درج کرتے ہیں ۔ جن سے اس مسئلہ کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے ۔ مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں "آیت مذکور میں ان لوگوں سے جہاد و قتال کرتے رہنے کی ایک حد اور انتہا بھی بتائی گئی ہے " "حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون " لیعنی یہ قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ ماتحت ہو کر، رعیت بن کر جزیہ دینا منظور نہ کریں ۔

جزیہ کے لفظی معنی بدلے اور جزاء کے ہیں ۔ اصطلاح شرع میں اس سے مراد وہ رقم ہے جو کفار سے قتل کے بدلہ میں لی جاتی ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ کفر و شرک اللہ اور رسول کی بغاوت ہے ، جس کی اصل سزا قتل ہے ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے ان کی سزا میں یہ تخفیف کردی کہ اگر وہ اسلامی حکومت کی رعیت بن کر عام اسلامی قانون کے ماتحت رہنا منظور کریں تو ان سے ایک معمولی رقم جزیہ کی لے کر چھوڑ دیا جائے ۔ (معارف القرآن)

" اور جہاد و قتال کا جو حکم آیت میں بمقابلہ اہل کتاب دیا گیا ہے وہ درحقیقت اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام طوائف کفار کا یہی حکم ہے کیونکہ اس آیت میں حکم قتال کی جو وجوہ آگے بیان کی گئی ہیں وہ سب کفار میں مشترک ہیں تو حکم بھی مشترک ہونا چاہیئے " ۔

مولانا امین اصلاحی لکھتے ہیں ۔

"لاحتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" ید کے اصل معنی
تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ غلبہ، تسلط اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔
یعنی ان کی طرف سے یہ ادائیگی جزیہ تمہارے اقتدار و غلبہ کے نتیجہ میں ہو۔
ان سے جنگ کرکے ان کے کس بل اس طرح نکال دو کہ یہ تمہارے آگے
گھٹنے ٹیک دیں اور ہاتھ باندھ کر جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں "وھم
صاغرون" یعنی تمہاری ماتحتی و محکومی قبول کریں اور اس کو غنیمت جانیں۔
(اصلاً تو یہاں جو حکم بیان ہوا ہے وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے
متعلق ہے لیکن صحابہ کرام کے زمانہ ہی میں یہ مسئلہ بھی طے پاچکا تھا کہ یہی
حکم دوسرے غیر مسلموں کا بھی ہے چنانچہ مجوسی کے ساتھ ان کو مشابہہ اہل
کتاب قرار دے کر یہی معاملہ کیا گیا جس کی ہدایت یہاں اہل کتاب کے باب
میں ہوئی ہے۔ اس باب میں فقہاء میں کوئی اختلاف رائے ہے تو وہ فروعی
نوعیت کا ہے (تدبر قرآن)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں :

" یعنی لڑائی کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق
کے پیرو بن جائیں۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی خود مختاری و بالادستی
ختم ہوجائے۔ وہ زمین پر حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں، بلکہ زمین کے
نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات متبعین دین حق کے
ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع و مطیع بن کر رہیں"۔

" یہ جزیہ وہ چیز ہے جس کے لئے بڑی بڑی معذرتیں انیسویں صدی
عیسوی کے دور مذلت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ اس دور کی
یادگار کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں لیکن خدا کا
دین اس سے بالا و برتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت پیش

کرنے کی کوئی حاجت ہو۔ سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو اختیار نہیں کرتے اور اپنی یا دوسروں کی نکالی ہوئی غلط راہوں پر چلتے ہیں وہ حد سے حد بس اتنی آزادی کے مستحق ہیں کہ خود جو غلطی کرنا چاہتے ہیں کریں لیکن انہیں اس کا قطعاً حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ بھی اقتدار و فرمانروائی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گمراہیوں کے مطابق قائم کریں اور چلائیں یہ چیز جہاں کہیں ان کو حاصل ہوگی فساد رونما ہوگا اور اہل ایمان کا فرض ہوگا کہ ان کو اس سے بے دخل کرنے اور انہیں نظام صالح کا مطیع بنانے کی کوشش کریں"۔ (تفہیم القرآن)

ہماری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ جزیرۃ العرب کی حد تک وجوب جہاد کی علت محض کفر ہے۔ یعنی وہاں غلبہ کفر تو دور کی بات ہے سرے سے کفر ہی کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اہل کفر کے لئے وہاں صرف دو راستے ہیں یا تو اسلام قبول کریں یا قتل ہو جائیں۔ تیسری کوئی راہ نہیں ہے۔۔ جزیرۃ العرب کے علاوہ بقیہ ساری دنیا میں کفر کو برداشت کیا جائے گا، لیکن غلبہ کفر ناقابل برداشت ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں جہاں بھی کفر کا غلبہ ہوگا وہ وجوب جہاد کے لئے کافی علت ہوگا۔۔ جہاد کے وجوب کے لئے کسی دوسرے سبب اور علت کی ضرورت نہیں ہے۔ تقریب فہم کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نماز ظہر کے وجوب کے لئے جو حیثیت زوال شمس کی ہے بالکل وہی حیثیت وجوب جہاد کے لئے کفر اور غلبہ کفر کی ہے۔

فرضیت جہاد کی ادائیگی کن پر فرض ہے :۔ اب یہ سوال کہ جن پر جہاد فرض ہوگا ان میں کیا صفات ہونی چاہئیں اور کیا نہیں۔ جس طرح صلاۃ کے فرض ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے متعلق فرد

کے اندر کچھ شرائط کا موجود ہونا ضروری ہے مثلاً بچے اور بے عقل پر نماز کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔ اسی طرح جہاد اپنی جگہ فرض ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے کچھ شرائط ہیں جیسا کہ قرآن میں کہا گیا ہے۔

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج ولا علی المریض حرج (سورہ الفتح ١٧)

ترجمہ :۔ ہاں اگر اندھا اور لنگڑا اور مریض جہاد کے لئے نہ آئے تو کوئی حرج نہیں۔

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لایجدون ماینفقون حرج۔ اذا نصحوا للہ ورسولہ (سورۃ توبہ ٩١)

ترجمہ :۔ ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو شرکت جہاد کے لئے زاد راہ نہیں پاتے، اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جب کہ وہ خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے وفادار ہوں۔

معلوم ہوا کہ اندھے، لنگڑے، مریض، ضعیف اور تنگ دست پر فریضہ جہاد کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔ دوسرے شرعی دلائل سے یہ بھی ثابت ہے کہ اسلام، بلوغت، ذکورت، حریت اور عقل بھی شرط ہے۔ یعنی کافر، نابالغ، عورت، غلام اور بے عقل پر جہاد کی ادائیگی فرض نہ ہوگی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فلایفرض علی الاعمی والاعرج والزمن المقعد والشیخ العرم والمریض الصعیف والذی لایجد ماینفق۔

ترجمہ :۔ پس نہیں فرض ہوتا اندھے، لنگڑے، لنجے، اپاہج، بوڑھے، مریض، ضعیف پر اور جو اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

ھدایہ میں ہے۔

وقتال الكفار واجب وان لم يبدؤا للعمومات ولايجب الجهاد على الصبيى لان الصبيى مظنة المرحمته ولاعبد ولا امرة لتقدم حق المولى والزوج ولااعمى ولامقعد ولااقطع لعجزهم فان هجم العدو على بلد وجب على جميع الناس الدفع تخرج المراة بغير اذن زوجها والعبد بغير اذن المولى لانه صار فرض عين۔

ترجمہ :۔ اور کفار سے جنگ واجب ہے اگرچہ وہ شروع نہ کریں ۔ عمومات کی بناء پر (یعنی ان آیات اور احادیث کی بناء پر جن میں بغیر کسی شرط اور قید کے جنگ کو واجب بتایا گیا ہے) اور جہاد واجب نہیں ہوتا بچے پر کیونکہ وہ قابل رحم ہوتا ہے ۔ نہ غلام پر اور نہ عورت پر کیونکہ ان پر آقا اور شوہر کا حق مقدم ہوتا ہے ۔ نہ اندھے پر اور نہ اپاہج پر، نہ لولے پر کیونکہ یہ لوگ عاجز ہوتے ہیں ۔ البتہ اگر دشمن کسی شہر پر حملہ کردے تو تمام لوگوں پر مدافعت واجب ہوجاتی ہے ۔ ایسی صورت میں عورت کو اپنے شوہر کی اور غلام کو اپنے آقا کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی ۔ مدافعت میں نکلنے کے لئے کیونکہ مدافعت فرض عین ہوچکی ہوتی ہے ۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کی فرضیت اور اس فرضیت کی ادائیگی کے لئے مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے ۔ کسی خطہ ارض کے مسلمان یہ نہیں کہہ سکتے کہ جہاد فرض نہیں ہے اور اس کی ادائیگی ہم پر فرض نہیں ہے ۔ کیونکہ زمین کے اکثر حصہ پر کفر و شرک کا غلبہ ہے جو فرضیت جہاد کی علت ہے ۔ اور قرآن نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ کن پر جہاد کی ادائیگی فرض ہے اور کن پر نہیں ۔

یہ جو مشہور ہے کہ امیر ہونا ضروری ہے، تو امیر کا ہونا نہ تو فرضیت کے لئے شرط ہے اور نہ ادائے فرض کے لئے شرط ہے بلکہ اداء فرض کی صحت

لئے شرط ہے - اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے نماز جمعہ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کے لئے امام اور جماعت شرط ہے - تنہا جمعہ کی نماز نہیں ہو سکتی - لیکن ہزاروں کی بھری آبادی میں یہ کہہ کر ہم بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ نماز جمعہ کے لئے لوگ اکٹھا ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں اور کوئی امامت کے قابل نہیں ہے - لہذا نماز جمعہ فرض نہیں - نماز جمعہ کے لئے امام بنانا مصلیوں کی ذمہ داری ہے - اسی طرح جہاد کے لئے امیر متعین کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جن پر جہاد کی ادائیگی فرض ہے - اسی وجہ سے فقہاء نے نصب امام کو فرض کہا ہے - اس طرح امیر کا تعین نہ کرنا خود ایک گناہ ہے جس کو دوسرے گناہ کے لئے وجہ جواز نہیں بنایا جاسکتا - ایک دوسری مثال سے بات کو سمجھئے - طہارت، نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، نماز کی فرضیت کے لئے شرط نہیں ہے کہ طہارت ہوگئی تو نماز فرض ہوگی - اور اس کی ادائیگی ضروری ہوگی اور جس کو طہارت حاصل نہیں ہے، وہ بری الذمہ ہے، اس پر نماز فرض کی ادائیگی لازمی نہیں ہے - اور وہ عنداللہ بے قصور اور معذور قرار دیا جائے گا بلکہ طہارت حاصل کرنا ہر اس شخص کی ذمہ داری ہے، جس پر نماز از روئے شرع فرض قرار پائی ہے - طہارت حاصل نہ کرنا خود ایک گناہ ہے - اس گناہ کو ترک صلوۃ کے لئے وجہ نہیں بنایا جاسکتا -

در حقیقت جہاد کی فرضیت کے لئے امیرالمومنین کا ہونا ضروری شرط نہیں ہے - جس طرح فرضیت نماز کے لئے امام کا ہونا شرط نہیں ہے - البتہ استثنائی حالات کے علاوہ جس طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ فرض نماز کسی امام کی امامت میں ادا کی جاتی ہے اسی طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ جہاد کسی امیرالمومنین کے تحت ہونا چاہیے - اور یہ امر واقعہ ہے کہ جب بھی جہاد ہوا ہے، مسلمانوں کے دور عروج میں ہوا ہے جب کہ مسلمان کسی امیرالمومنین کے تحت ہی

زندگی گزار رہے ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں امیر المومنین کے حکم اور اجازت کے بغیر جہاد کا ہونا کیسے متصور ہو سکتا تھا۔

دو جواب طلب سوال

اس مقام پر دو سوال جواب طلب ہیں:

(۱) امیر المومنین کے ہوتے ہوئے اگر کچھ لوگ بغیر اجازت جہاد کریں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اور جہاں امیر المومنین نہ ہو، وہاں کیا جہاد کی کوئی صورت ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم فقہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں:

"اگر دارالحرب میں ایسی جماعت داخل ہوتی ہے جسے قوت دفاع حاصل تھی یعنی طاقتور جماعت تھی ان سے بیت المال کے لئے خمس لیا جائے گا اگرچہ یہ جماعت بادشاہ کی اجازت کے بغیر داخل ہوئی ہو"۔ (فتاویٰ عالمگیری)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر اس جماعت کا دھاوا بولنا صحیح تسلیم کیا گیا، اور اس کو جہاد قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف اگر ایک دو آدمی دارالحرب میں جائیں تو ان سے خمس نہیں لیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ مال غنیمت کی تعریف میں نہیں آئے گا اور ان کا دھاوا بولنا جہاد متصور نہ ہوگا۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ فقہی تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ان کا عمل جہاد کی تعریف میں نہیں آتا اور ان کا دھاوا بولنا جہاد متصور نہ ہوگا۔ لیکن ان کا چھین جھپٹ کر لایا ہوا مال ان کے لئے حلال ہوگا، حرام نہ ہوگا۔ بہرحال اوپر مذکورہ دونوں فقہی جزیوں پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم

ہوتی ہیں ۔ اول یہ کہ امیر المومنین کے ہوتے ہوئے بھی اس کی اجازت کے بغیر جہاد ہو سکتا ہے ۔ اور دوسری بات یہ کہ جہاد کے صحیح ہونے اور نہ ہونے میں قوت طاقت اور قوت دفاع کی موجودگی بھی ایک معیار ہے ۔ ہدایہ کی شرح فتح القدیر جلد سابع میں ہے کہ " شریعت میں وہ زور اور جبر معتبر ہے جو سلطان کی طرف سے ہو ۔ کیونکہ سلطان کو قوت دفاع اور قوت منعہ حاصل ہے ۔ اور جس کے پاس قوت دفاع نہ ہو اس کی جانب سے زور اور طاقت کے استعمال کو شریعت نے معتبر نہیں قرار دیا ہے " ۔

سلطان کی تعریف شامی جلد ۵ میں پڑھیئے :

" شریعت نے سلطان کے بغیر کسی کا زور اور جبر معتبر نہیں مانا ہے ، کیونکہ زور جبر کی طاقت قوت دفاع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جس کے پاس قوت دفاع ہو ، وہ سلطان ہے " ۔

قوت دفاع کا معیار کیا ہے ۔ یعنی کب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب قوت دفاع حاصل ہو گئی ، اس مسئلہ پر کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے روشنی پڑتی ہے :

> " تین آدمیوں کا حکم بھی ایک کا ہے البتہ چار ہوں تو خمس لیا جائے گا ۔ محیط میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ سات آدمیوں کی جماعت از روئے شریعت وہ جماعت نہیں ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہو ۔ دس آدمیوں کی جماعت ایسی جماعت ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہوگی " ۔ (فتح القدیر)

عنایہ میں قوت منعہ کی تفسیر سریہ سے کیا ہے ، اس تفسیر کو علامہ ناطقی نے ابن شجاع کی کتاب الخراج سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اگر کوئی ایک آدمی اکیلا دار الحرب میں داخل ہو اس حال میں کہ دار الحرب میں کہیں

قریب اسلامی فوج نہ تھی - پھر اس آدمی کو کچھ مال ہاتھ آیا تو اس میں بیت المال کا پانچواں حصہ نہ ہوگا، یہاں تک کہ مسلمان حملہ آوروں کی تعداد ۹ تک پہنچ جائے -جب نو تک تعداد پہنچ جائے تو یہ سریہ ہے لہذا اس میں خمس ہوگا"

جہاد کے لئے ضروری تعداد

معلوم ہوا کہ کفار کے مقابلہ میں ۹ - ۱۰ افراد پر مشتمل کوئی جتھا یا ٹولی ہو تو شرعاً اسے باعتبار عدد، قوت دفاع کا حامل کہا جاسکتا ہے - اور وہ جو بھی اقدام کریں گے اس کو جہاد کہا جاسکتا ہے - اور اس کے سربراہ کو امیر یا سلطان کہا جاسکتا ہے اور اس کی سرکردگی میں جہاد کیا جاسکتا ہے - جہاں تک قوت دفاع کے لئے اسلحہ اور دیگر تیاریوں کا سوال ہے، اس کا جواب قرآن کے الفاظ ما استطعتم میں مل جاتا ہے - پھر تینوں سوالوں کا جواب یعنی تعداد، اسلحہ وغیرہ کی مقدار کیا ہو اور حدود اقتدار کیا ہوں ابو جندل اور ابو البصیر کے واقعہ سے ملتا ہے - مدینہ کے حدود کیا تھے مسلمانوں کی تعداد کیا تھی - اور ان کے پاس ساز و سامان کتنا تھا جب کہ وہ جہاد کر رہے تھے - حضرت ابو البصیر مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے - صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ آئے - ان کے پیچھے ہی مکہ سے ازر بن عبد عوف اور اخنس بن شریق کا ایک مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مدینہ دو آدمی لائے کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے ابو البصیر کو واپس کردیا جائے - حضورؐ نے ابو البصیر کو بلایا اور فرمایا - " ابو البصیر ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے - ہمارے دین میں عہد شکنی نہیں ہے، تم مکہ چلے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ پیدا کرے گا" -

ابو البصیر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہیں، جو میرا دین برباد کر دیں گے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا۔ "مکہ چلے جاؤ اللہ کوئی راہ نکالے گا"۔ حضرت ابو البصیر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن راستہ میں انہوں نے مقام ذوالحلیفہ میں اپنے دونوں پہرہ داروں میں سے ایک کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا۔ دوسرا پہرہ دار ڈر کر مدینہ چلا گیا اور وہاں حضورؐ سے ابو البصیر کی شکایت کی۔ اس کے بعد ساتھ ہی ابو البصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ابو البصیر مدینہ سے مقام عیص چلے گئے۔ عیص اس راستہ پر ہے جس سے ہو کر وہ شام جاتے تھے۔ سمندر کے ساحل پر ذوالمرہ کے کنارے واقع ہے۔ مکہ میں جو مسلمان روکے ہوئے تھے وہ اس واقعہ سے واقف ہو چکے تھے اور حضورؐ نے جو کہا تھا کہ اس کو جان چکے تھے۔ اس لئے وہ عیص میں ابو البصیر سے آکر مل گئے۔ اس طرح تقریباً ستر آدمی جمع ہو گئے اور انہوں نے قریشیوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔ وہ جس قریشی کو پاتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے اور جو قافلہ ان کے پاس سے گزرتا اس پر چھاپا مارتے۔

جس وقت حضرت ابو البصیر اپنی کارروائی کر رہے تھے، اس وقت مدینۃ الرسول دارالاسلام کا صدر مقام تھا جس کے سربراہ بذات خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ ابو البصیر اپنے ساتھیوں کو لے کر جو کچھ کر رہے تھے حضورؐ کی اجازت اور حکم سے نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنے طور پر کر رہے تھے۔ ورنہ مشرکین ضرور اعتراض کرتے کہ حدیبیہ میں طے شدہ معاہدہ کی یہ خلاف ورزی ہے۔ پھر بھی آپ کو سب کچھ معلوم تھا جس پر آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، جب کہ یہ ناممکن ہے کہ خلاف شرع کوئی کام ہو رہا ہو اور آپ خاموش رہیں۔ اسی لئے آپ کی خاموشی یعنی اقرار کو شریعت میں ایک مضبوط

دلیل تسلیم کیا جاتا ہے ۔ پس آپ کی خاموشی حضرت ابوالبصیر کی ساری کارروائیوں کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، جو بہت ساری قیل وقال کا دروازہ بند کر دیتی ہے ۔ کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے کوئی حکمت عملی متعین کرنے کے لئے یہ ایک واقعہ کافی ہو سکتا ہے ۔

موجودہ زمانے میں ابوالبصیر کا نمونہ

آج ابوالبصیر کے اس واقعہ کو دلیل بنا کر کوئی جتھا کسی جنگل، پہاڑ یا کسی مقام کو اپنا اڈہ بنا کر دشمنان دین و ملت کو نشانہ بنائے تو کیونکر غلط ہو سکتا ہے ۔ اور اگر کہا جائے کہ حضورؐ کی خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ یہ واقعہ دارالاسلام مدینہ کے باہر ہو رہا تھا اس لئے آپ نے اس سے تعرض نہیں فرمایا تو یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے ۔ کیونکہ آپ کی رسالت اور نبوت ساری دنیا کے لئے تھی ۔ دنیا میں، جہاں کوئی مسلمان ہوگا آپ کے حکم کے تابع ہوگا ۔ حضرت ابوالبصیر آپ کے حدود رسالت و اطاعت کے باہر نہ تھے اور اگر اس توجیہہ کو صحیح مان لیا جائے تو ہمارے مدعا کو مزید ثبوت اور قوت حاصل ہوگی اور یہ ثابت ہوگا کہ کہیں بھی چند مسلمان اکٹھا ہو کر دین و ملت کے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی کر سکتے ہیں ۔ اور اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی وسیع پیمانہ پر شرعی حکومت قائم ہو اور وسیع علاقہ پر امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کا سکہ جاری ہو ۔

دوسرے سوال کا جواب

اب آئیے ہم دوسرے سوال پر غور کریں ۔ یعنی جہاں کوئی امیر المومنین نہ ہو وہاں جہاد کی کیا صورت ہو سکتی ہے ۔ اس سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں شامل ہے جس کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے ۔ لیکن ایک

دوسرے پہلو سے غور کیجئے - ہم زیادہ نظری بحث نہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ انعقاد جمعہ و نماز عیدین کے لئے بھی امام یا قاضی کی ضرورت ہے اور نکاح و طلاق کے نزاعی معاملات میں مسلم قاضی کا فیصلہ درکار ہوتا ہے - لیکن ہمارے جیسے ملک میں جہاں امیر نہیں ہے وہاں قاضی کہاں سے آئے گا اور معاملات اور حادثات تو بہر صورت پیش آتے ہی رہتے ہیں - ایسی صورت میں کیا کیا جائے - اس مسئلہ کا حل علماء نے یہ نکالا کہ عام مسلمانوں کی جماعت کے فیصلہ کو قضاء قاضی کے برابر قرار دیا جائے - اسی بنیاد پر پورے ملک میں جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں اور اسی بنیاد پر ملک کے کئی علاقوں میں شرعی پنچایتیں کام کر رہی ہیں - پھر اسی بنیاد پر شریعت میں امام اور امیر المومنین کی جو تعریف ہے، اس کو محدود کرتے ہوئے پرسنل لا کی حد تک ایک امیر بنا لیا جائے اور وہ قاضی کا تقرر کرے - اور وہ قاضی فیصل مقدمات کرے تو وہ فیصلہ شرعی فیصلہ تسلیم کر لیا جائے - امارت شرعیہ بہار اور امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش اسی بنیاد پر قائم ہیں -

ایک فقہی نقطہ

اس کی نظیر شریعت کے بہت سے احکام میں ہمیں مل سکتی ہے کہ فرض اپنی جگہ قائم رہتا ہے - اس کی ادائیگی کے شرط نہ ہونے کی صورت میں فرض ساقط نہیں ہوتا - مثلاً نماز کی ادائیگی کے لئے ستر پوشی ضروری شرط ہے - لیکن ستر پوشی کا سامان نہ ملے تو وہ فرض ساقط نہ ہوگا بلکہ فرض ادا کیا جائے گا - کیسے ادا کیا جائے گا کسی مفتی سے دریافت کیجئے - وضو ادائیگی نماز کے لئے شرط ہے، لیکن پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے کام لیا جائے گا - اور اگر کوئی ایسی صورت فرض کی جائے کہ تیمم کرنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز کیسے ادا کی جائے

کسی مفتی صاحب سے پوچھئے۔ بہر صورت نماز ادا کرنی ہوگی۔ فرض ساقط نہ ہوگا، البتہ بعض شکلوں میں فرض کی شکل بدل سکتی ہے۔

جماعت سازی کی بنیاد

سوال یہ ہے کہ نکاح اور طلاق کے جھگڑے طئے کرنے کے لئے ایک ملک میں بحیثیت تیمم امارت قائم کی جاسکتی ہے تو فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لئے کوئی امارت کیوں نہیں قائم کی جاسکتی، جو اصل امارت اور اسلامی حکومت کی نسبت سے ویسی ہی ہو جیسے ادائیگی نماز کے اصل وضو کی جگہ تیمم ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت نہیں ہے، کوئی ہمارا امیر نہیں ہے تو اس بنیاد پر قیامت تک جاری رہنے والے فرض جہاد کو اپنی ڈکشنری سے نکال دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا اس کو کسی شکل میں اور کسی درجہ میں باقی نہ رکھنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟۔ اسی طرح اگر فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی کے لئے انجمنیں اور مختلف جماعتیں کل ہند پیمانہ پر امیر اور مامور کی اصطلاح میں بات کر سکتی ہیں اور اپنے دائرہ میں امیر کی اطاعت کو دینی فریضہ سمجھتی ہیں، اور ان کا سمجھنا بجا ہے تو فریضہ جہاد کو ادا کرنے کے لئے کوئی امارت کیوں نہیں بنائی جاسکتی۔ اور اگر ایک ملک میں دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے کئی کئی تنظیمیں بنانا روا ہے تو فریضہ جہاد جیسے مہتم بالشان فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی نظم کیوں نہیں قائم کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے لئے کسی شرعی بنیاد کی نفی جن مزعومات کے تحت کی جاتی ہے، ان کو صحیح مان لیا جائے تو کسی کام کے لئے کوئی انجمن اور جماعت بنانے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ ساری انجمنیں اور جماعتیں اپنے اپنے کاموں کی اہمیت بتانے کے لئے اور اپنے کارکنوں میں جوش عمل پیدا کرنے کے لئے انہیں آیات اور احادیث اور انہیں مسلمات کو پیش

کرتی ہیں جو صریح طور سے جہاد کے لئے قرآن و حدیث میں ہمیں ملتی ہیں ۔ مگر جب جہاد کا نام لیا جاتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے گنجائش نہیں ہے ۔

دفاعی جہاد

ایک پہلو مزید سوچنے کا یہ ہے کہ احکام اور شرائط کے اعتبار سے اقدامی جہاد اور دفاعی جہاد میں آپ کو فرق ملے گا ۔ اقدامی جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے ، لیکن دفاعی جہاد فرض عین ہوجاتا ہے ۔ اقدامی جہاد میں تعداد کا ، جنگی سامان اور وسائل کا لحاظ اور اعتبار کیا گیا ہے ۔ اسی طرح اقدامی جہاد میں کئی اور لوگوں سے اجازت لینی ہوتی ہے ۔ مثلاً غلام کو اپنے آقا کی اجازت درکار ہوگی ۔ لیکن دفاع کے موقع پر نہ تعداد کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ وسائل جنگ کی کمی بیشی دیکھی جاتی ہے اور نہ کسی کو کسی سے اجازت لینے کی ضرورت ہوتی ہے ، بلکہ ہر ایک کو ہر حالت میں حسب استطاعت دفاعی جہاد میں شرکت کرنی ضروری ہوتی ہے ۔ اسی بناء پر غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو شریک جہاد نہ ہونے کی وجہ سے کیسی عبرتناک سزا دی گئی کہ پچاس دن تک ان سے نہ کوئی سلام و کلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا اور ان کے لئے زمین تنگ ہوکر رہ گئی ۔

قرآن میں دفاع کا ذکر

قرآن میں دفاع کا حکم صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے ۔ لیکن ایک نقطہ قابل لحاظ ہے ۔ مکی سورتوں میں حکم دفاع کے ساتھ دو باتوں کی صراحت کی گئی ہے ۔ ایک ظلم سے بڑھ کر بدلہ نہ لیا جائے اور دوسرے یہ کہ صبر کرو تو بہتر ہوگا ۔

مدنی سورتوں میں بغیر کسی قید و شرط کے حکم دفاع ہے ، بلکہ اقدام اور پہل کرنے کا حکم ہے ۔

مکی سورتوں میں :۔

وجزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفا واصلح فاجرہٗ علی الله وانه لایحب الظلمین (الشوریٰ ۴۰)

ترجمہ :۔ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وان عاقبتم فعاقبو بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لهو خیر للصبرین (النحل ۱۲۶)

ترجمہ :۔ اگر تم بدلہ لے لو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔

مدنی سورتوں میں :۔

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا (البقرہ۔۱۹۰)

ترجمہ :۔ اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو۔

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم واتقوا الله (البقرہ ۱۹۴)

ترجمہ :۔ جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح دست درازی کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

اذن للذین یقتلون بانهم ظلموا وان الله علی نصرهم لقدیرن ۝ الذین اخرجوا من دیارهم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا الله (الحج ۳۹)

ترجمہ :۔ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف

جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے - یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" -

ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا (النساء - ۷۵)

ترجمہ :- آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کررہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کردے -

دفاع حدیث میں

(۱) حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ کو جب کسی قوم سے اندشیہ ہوتا تو دعا کرتے اللھم انانجعلک فی نحورھم ونعوذبک من شرورھم (یعنی اے اللہ ہم ان کے مقابلہ میں. تجھ کو کرتے ہیں اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں)

(۲) حضرت ابو ہرہ کی روایت ہے آپ نے فرمایا لاتتمنوا لقاء العدو واسألوا اللہ العافیۃ فاذا القیتموھم فاصبروا" دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو، اللہ سے عافیت مانگو لیکن مڈبھیڑ ہو جائے تو ڈٹ جاؤ -

(۳) بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا من قتل دون مالہ فھو شہید " جو شخص اپنے

مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے" -

(۴) ابو داؤد اور ترمذی کی حدیث میں حضرت ابو الاعور سعیدؓ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے من قتل دون ماله فهو شهيد و من قتل دون دمه فهو شهيد و من قتل دون دينه فهو شهيد و من قتل دون اهله فهو شهيد " جو مارا گیا اپنے مال کی حفاظت میں وہ شہید ہے - جو مارا گیا اپنی جان کی حفاظت میں وہ شہید ہے اور جو مارا گیا اپنے دین کی حفاظت میں وہ شہید ہے اور جو مارا گیا اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں وہ شہید ہے -

(۵) مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ نے بیان کیا کہ ایک آدمی حضورؐ کے پاس آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کا کیا خیال ہے اگر ایک آدمی آئے میرا مال چھیننے کے لئے - آپ نے فرمایا اس کو اپنا مال نہ دے، سائل نے عرض کیا اگر وہ مجھ سے جنگ کرے - فرمایا تو اس سے جنگ کر سائل نے دریافت کیا اگر وہ مجھ کو قتل کر دے تو آپ نے فرمایا تو شہید ہو گا - پھر سائل بولا اگر میں اس کو قتل کر دوں تو آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا

(۶) مسلم شریف کی حدیث میں ہے آپ نے فرمایا من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او فقد عصیٰ " جس کو تیر اندازی سکھائی گئی پھر اس نے تیر اندازی چھوڑ دی وہ ہم میں نہیں یا اس نے نافرمانی کی -

(۷) ایک روایت میں حضورؐ کا ارشاد ہے " اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا - بنانے والا جو اس کے بنانے میں حصول خیر کی نیت رکھتا ہو، تیر پھینکنے والا اور تیر کو اٹھانے والا - تیر چلاؤ اور سواری کرو اور تیر چلانا سواری کرنے سے بہتر ہے - اور جس نے سیکھنے کے بعد بے رغبتی کی وجہ تیر اندازی چھوڑ دی تو اس نے ایک خاص نعمت کو ضائع کر دیا

(۸) بخاری مسلم کی حدیث ہے ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "الحرب خدعة (جنگ دھوکہ ہے)

دفاع فقہ میں

دفاعی جہاد بالاجماع فرض عین ہے ۔ ملک اور مقام کی، زمانہ اور وقت کی، کثرت اور قلت کی، خوشحالی اور تنگ دستی کی کوئی شرط نہیں ہے ۔ ہر شخص پر فرض ہوتا ہے کہ دفاعی جہاد میں شریک ہو اور اپنا حق ادا کرے ۔ حتیٰ کہ عورت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔ اس کے لیے بھی نکلنا واجب ہوگا ضرورت پر ۔ اس فرض کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکل سکتی ہے ۔ بیٹے کو باپ کی اور غلام کو آقا کی بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ۔

علامہ جصاص کہتے ہیں ۔

"تمام مسلمانوں کے اعتقاد میں یہ معلوم بات ہے کہ جب سرحدی علاقہ کے لوگوں کو دشمن کا خطرہ لاحق ہو اور ان کے اندر دفاع کی قوت نہ ہو، ان کی جان اور ان کا مال، ان کی عورتیں اور ان کے بچے خطرے میں گھرے ہوں تو پوری امت پر فرض ہو جاتا ہے کہ ان کی طرف ایسے لوگ روانہ ہوں جو ان سے ان کے دشمنوں کو روک سکیں ۔ امت کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ ان سے بیٹھ رہنے کو کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے کہ مسلمانوں کی جان اور مسلمانوں کی عورتیں اور بچوں کی جان کو دشمن حلال کر لیں" ۔

دفاع کی اہمیت

"الجهاد فی الاسلام" میں دفاع کی اہمیت بتاتے ہوئے مصنف

لکھتے ہیں۔

"قرآن اپنے پیروں میں حمایت حق کی ایسی ناقابلِ تسخیر روح پیدا کرنا چاہتا ہے جس سے ان کے اندر کسی حال میں بدی و شرارت کے آگے سر جھکانے اور ظلم و طغیان کے تسلط کو قبول کرنے کی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذلت یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام یا مال و دولت یا اہل و عیال کی محبت میں مبتلا ہو کر حفاظت حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے...... قرآن جو درحقیقت صحیفہء فطرت ہے، فطرت کے اس راز کو پوری طرح ملحوظ رکھتا ہے۔ اسی بناء پر اس نے انسان کو صرف دو راہیں بتائی ہیں۔ یا موت یا شرف۔ زندگی بے شرف کی تیسری راہ اس نے نہیں بتائی چاہے اس کے بد نصیب پیروں نے اپنے ایمان کی کمزوری اور حوصلہ کی پستی سے اس کو خود اختیار کر لیا ہو...... قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل اور برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دینِ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا دوسرا نظام مسلط کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے، تم پر ظلم و ستم ڈھائے، تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے، تمہیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے، تمہارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور اس وجہ سے تمہارے درپے آزار ہو کہ تم اسلام کے پیرو ہو تو اس کے مقابلہ میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے اس ظلم کو دفع کرنے میں صرف کرو۔.۱۶.. دفاع کے ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ان دینی فرائض میں جو ان کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں

سب سے بڑا اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے قومی استقلال کی سختی کے ساتھ حفاظت کریں اور اپنے قومی اور دینی وجود کو کسی حال میں فتنہ سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ اس کے لئے اسلام نے اپنے پیروں کو جنگ کی محض اجازت ہی نہیں دی بلکہ تاکید کی ہے اور تاکید بھی ایسی سخت جس کی کیفیت اوپر بیان کی گئی ہے۔ مگر حملہ کی صرف یہی ایک صورت نہیں ہے کہ ایک سلطنت باقاعدہ اعلان جنگ کر کے دارالاسلام پر حملہ آور ہو اور اس کو فتح کر کے مسلمانوں کو مٹانے یا غلام بنانے یا ان کی مذہبی آزادی کو سلب کرنے کی کوشش کرے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن سے ایک قوم کے امن و اطمینان اور اس کی اجتماعی زندگی کو خطرہ میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔

"اب دفاعی جنگ کی ان تمام صورتوں پر جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہیں ایک غائر نظر ڈالئیے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان سب کے اندر ایک ہی مقصد کام کر رہا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنے دین اور اپنے قومی وجود کو کسی حال میں بدی و شرارت سے مغلوب نہ ہونے دیں۔ اور یہ بدی جس راہ سے بھی خروج کرے خواہ باہر سے خواہ اندر سے اس کا سر کچلنے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں۔ اللہ کو مسلمانوں سے جو خدمت لینی ہے اس کے لئے اولین ضرورت ان کا فتنوں اور خرخشوں سے محفوظ رہنا اور ان کا قومی و سیاسی طاقت کا محفوظ رہنا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مٹنے سے نہ بچائیں اور اندرونی و بیرونی دشمنوں کی فتنہ پردازیوں سے غفلت برت کر اپنے تئیں ان اجتماعی امراض کا شکار ہو جانے دیں جنہوں نے اگلی ظالم قوموں کو ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی میں مبتلا کیا تو ظاہر ہے کہ وہ صرف خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے بلکہ انسانیت کی اس خدمت عظیم کو انجام دینے کے قابل نہ رہیں گے، جس

کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں ۔ اور یہ ان کا صرف اپنے اوپر ہی نہیں بلکہ تمام عالم انسانی پر ظلم ہوگا ۔ پس ان کو کھول کھول کر ہدایت وضاحت کے ساتھ دشمنوں کے نشانات بتائے گئے ہیں، جو ان کی بربادی کا موجب بنتے ہیں یا بن سکتے ہیں ۔ اور ایک ایک کا دھڑ توڑ دینے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ وہ دنیا سے ہدایت کے نور کو مٹانے اور عالم گیر اصلاح کے کام میں سدِ راہ بننے کے قابل نہ رہیں ۔ پھر اس کے لئے صرف اسی وقت تلوار اٹھانے کی ہدایت نہیں کی گئی جب کہ بدی اپنا سر نکالے اور فتنہ پردازی شروع کردے بلکہ اس کے مقابلہ پر ہر وقت کمر بستہ و مستعد رہنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اسے سر نکالنے کی جراءت ہی نہ ہوسکے اور اس پر حق کی ایسی ہیبت بیٹھی رہے کہ اس کا دف اندر ہی اندر مر جائے ۔"

دفاع کی حکمت عملی

عن عمران بن حصین قال کان ثقیف حلیفا لبنی عقیل فاسرت ثقیف رجلین من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واسر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً من بنی عقیل فاوثقوہ فطر حوہ فی الحرۃ فمر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فناداہ یا محمد یا محمد فیما اخذت قال بجریرۃ حلفاء کم ثقیف فترکہ و مضی فناداہ یا محمد یا محمد فرحمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرجع فقال ماشانک قال انی مسلم فقال لو قلتھا و انت تملک امرک افلحت کل الفلاح قال ففداہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرجلین اللذین اسرھما ثقیف رواہ مسلم ۔

ترجمہ :۔ عمران بن حصین سے روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف حلیف

تھا قبیلہ بنی عقیل کا۔ ثقیف کے لوگوں نے دو مسلمانوں کو قید کر لیا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے انتقام میں قبیلہ بنی عقیل کے ایک آدمی کو پکڑ لیا اور اس کو باندھکر گرم پتھر پر ڈالدیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ آدمی چلایا۔ یا محمد یا محمد، مجھے کس جرم میں پکڑا گیا ہے آپ نے فرمایا۔ تمہارے حلیف ثقیف کے جرم میں۔ اتنا کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے۔ اس نے پھر آواز دی۔ یا محمد یا محمد۔ اس پر آپ کو ترس آگیا اور آپ لوٹ پڑے اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے اس نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ جس وقت تم آزاد تھے اس وقت اگر تم نے یہ بات کہی ہوتی تو تم پوری طرح کامیاب ہو گئے ہوتے۔ اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو دونوں مسلمانوں کی رہائی کی شرط پر چھوڑا۔

جہاد کیا ہے ؟

لغوی اعتبار سے جہاد کے معنی کسی معاملہ میں اپنی پوری کوشش لگادینے کے ہیں اور شرعی لحاظ سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، دین پر عمل، دین کی خدمت اور دین کی سربلندی کے لئے اپنی پوری طاقت خرچ کردینا جہاد ہے۔

آپ کا ارشاد ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه في طاعة الله والمهاجر من هجر مانهي الله عنه۔

ترجمہ :۔ مجاہد وہ ہے جو جہاد کرے اپنے نفس سے اللہ کی اطاعت میں اور مہاجر وہ ہے جو چھوڑ دے اس کو جس سے اللہ نے روکا ہے۔

ایک شخص جہاد کے لئے اجازت لینے آیا۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ تو آپ نے فرمایا "ففیھا مجاہد" یعنی تم انہیں کے بارے میں جہاد کرو۔

حضرت ابو ھریرہ کی روایت ہے ایک شخص آیا اور حضورؐ سے کہا دلنی **علی عمل کیعدل الجهاد** " مجھ کو کوئی ایسا عمل بتایئے جو جہاد کے برابر ہو آپؐ نے فرمایا "لا اجدہ" میں اس کو نہیں پاتا۔ حضرت ابو ھریرہ ہی کی ایک روایت ہے آپؐ نے فرمایا :

من آمن بالله وبرسوله واقام الصلوة وصام رمضان كان حقا على الله ان يدخله الجنة جاهد في سبيل الله او جلس في ارضه التي ولد فيها فقالوا يارسول الله افلا نبشر الناس قال ان في الجنة مائة

درجة اعدها الله لمجاهدين فی سبیل الله ۔ مابین الدر جتین کمابین السماء والارض (بخاری)

ترجمہ :۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے اس کو جنت میں داخل کرنا اللہ پر حق ہے جہاد فی سبیل اللہ کرے یا اپنے پیدائشی مقام میں بیٹھا رہے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا ہم لوگوں کو بشارت دے دیں آپ نے فرمایا۔ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے واسطے تیار کر رکھا ہے ہر دو درجہ میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ عمرو بن عبسہؓ نے بیان کیا۔

قال رجل یا رسول الله ماالاسلام قال ان یسلم قلبک لله عزوجل وان یسلم المسلمون من لسانک ویدک قال فای الاسلام افضل قال الایمان قال وما الایمان قال تومن بالله وملائکته وکتبه ورسله والبعث بعد الموت قال فای الایمان افضل قال الهجرة قال فما الهجرة قال تجهر السوء قال فای الهجرة افضل قال الجهاد قال وماالجهاد قال ان تقاتل الکفار اذالقیتم قال فای الجهاد افضل قال من عقر جواده واهریق دمه ۔قال رسول الله ثم عملان هما افضل الاعمال الامن عمل بمثلهما حجة مبرور وعمرة۔

ایک شخص نے دریافت کیا۔ اے اللہ کے رسول اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ کہ تیرا دل اللہ کے لئے جھک جائے اور یہ کہ تیرے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ پھر اس نے سوال کیا۔ کون سا اسلام افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ایمان۔ اس نے سوال کیا۔ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے ملائکہ پر، اس کی کتابوں اور اس کے

رسولوں پر، اور زندگی بعد الموت پر۔ سائل نے پھر سوال کیا۔ کون سا ایمان افضل ہے؟ فرمایا۔ ہجرت، اس نے سوال کیا۔ ہجرت کیا ہے؟ فرمایا۔ یہ کہ تم برائی کو چھوڑ دو۔ اس نے پوچھا۔ کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جہاد اس نے کہا جہاد کیا ہے؟ فرمایا۔ یہ کہ جب تم کفار سے ملو تو ان سے لڑو۔ اس نے کہا۔ کون سا جہاد افضل ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اس کا جہاد جس کا گھوڑا اور وہ خود ختم ہو گئے ہوں۔ آپ نے مزید فرمایا۔ اس کے بعد دو عمل افضل الاعمال ہیں مگر جو انہیں جیسا عمل کرے حج اور عمرہ۔

اوپر کی پہلی دو حدیثوں میں لفظ جہاد غیر قتال کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن پھر تین حدیثوں میں صاف طور سے قتال کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس طرح قرآن میں بعض موقع پر عام کوشش کے لئے آیا ہے، مثلاً سورۃ الفرقان کی آیت ہے "جاهدبه جهادا كبيرا" یعنی قرآن کے ذریعہ بڑا جہاد کرو۔ لیکن دس سے زیادہ مقامات پر جہاد کا لفظ صریح طور پر قتال کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح شرعی نصوص اور دینی لٹریچر میں جہاد بمعنی قتال ہی سمجھا جاتا ہے۔ الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو علامہ ابن حجر نے کہا ہے "بذل الجهد فی قتال الكفار" یعنی جہاد کفار سے جنگ میں کوشش صرف کرنا ہے۔

علامہ عسقلانی کہتے ہیں جہاد اسلام کی مدد اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے کفار سے جنگ کرنا ہے "قتال الكفار لنصرة الاسلام واعلاء كلمة الله"۔

صاحب الدر المختار فرماتے ہیں۔

"الدعاء الی الدین الحق وقتال من لم یقبله" یعنی دین حق کی طرف بلانا اور جو اس کو نہ قبول کریں ان سے جنگ کرنا جہاد ہے۔

علامہ ابن حجر، علامہ عسقلانی اور صاحب الدر المختار جہاد کے معنی قتال کے بتاتے ہیں۔ علامہ ابن رشد نے ایک اصولی بات کہہ کر مسئلہ کی نوعیت واضح کر دی ہے۔

وجہاد السیف قتال المشرکین علی الدین فکل من اتعب نفسه فی ذات الله فقد جاهد فی سبیله الا ان الجهاد فی سبیل الله اذا طلق فلایقع باطلاقه الا علی مجاهدة الکفار بالسیف حتی یدخلوا فی الاسلام او یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون (مقدمات ابن رشد)

ترجمہ :۔ جہاد بالسیف دین کی بنیاد پر مشرکین سے جنگ کرنا ہے۔ پس جس شخص نے اپنے آپ کو اللہ کے لئے تھکایا اس نے جہاد کیا۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد کفار سے جہاد بالسیف کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

گویا علامہ ابن رشد نے ساری آیات، احادیث اور اقوال علماء کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس توجیہ سے ہر بات اپنی جگہ اپنے خانہ میں بیٹھ جاتی ہے اور ہر ایک کا مقام بھی متعین ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کے زمرے میں ہر وہ کام شامل ہے جو رضاء الٰہی کے لئے کیا جائے مگر قرآن و حدیث میں جب مطلق جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد کفار و مشرکین کے ساتھ جنگ ہی ہوتی ہے اور اکثر و بیشتر وعدے اور ترغیب اسی جہاد کے لئے آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کا اعلیٰ مرتبہ یہی ہے اگرچہ حصول مقصد میں معاون کئی چیزوں کو جہاد کہا جا سکتا ہے اور اس کے درجہ کے مطابق اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔ لیکن اس سلسلہ کا کوئی بھی کام اس اصل جہاد کا بدل نہیں بن سکتا ہے اور نہ اس کے

درجہ اور مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔

اور یہ بات نہایت ہی معقول اور سمجھ میں آنے والی ہے کہ انذار، تبشیر دعوت اور تبلیغ چاہے لسانی ہو کہ قلمی، ان میں سے کوئی چیز بھی معرکہ، اسلام وجاہلیت میں وہ کام نہیں کر سکتی جو سربکف مجاہد کی تلوار کرتی ہے۔ بدی کے دیو، برائیوں کے سرغنے اور شیطان کے ایجنٹ ابوجہل و ابولہب کو بے اثر بنانے کے لئے تلوار ہی ایک موثر ذریعہ ہے۔ افہام و تفہیم اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سلیم الطبع، خیر پسند اور شریف لوگوں سے نپٹا جاسکتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ ہمیشہ انسانوں کی گردن ظالموں اور جابروں کے پنجہ میں ہوتی ہے جو کبھی سیدھی اور معقول بات نہ خود سمجھنے اور سننے کے لئے تیار ہوتے ہیں اور نہ انہیں یہ پسند ہوتا ہے کہ دوسرے سنیں اور سنائیں۔ اس لئے وہ اپنی پوری کوشش سے حق کو اور حق و انصاف کی آواز لگانے والوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا ان کے مقابلہ میں وہی لوگ آسکتے ہیں جو حق کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اور اپنی پوری متاعِ حیات لے کر میدان میں اترآتے ہیں۔ اگر سرفروشوں کا یہ گروہ نہ ہوتو برسوں کی دعوت و تبلیغ کے اثرات پل بھر میں ختم ہوسکتے ہیں۔ معرکہ بدر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی۔ اے اللہ یہ مٹھی بھر گروہ اگر ختم ہوجائے گا تو زمین میں تیری عبادت کبھی نہ کی جائے گی۔

یہ ہے اصل جہاد کی اہمیت۔ اس کی نفی اور تردید کرنے یا اس کا نعم البدل بنانے کے لئے کسی دوسرے کام کو پیش کیا جائے تو یہ صرف ایک بے اصل اور بے دلیل بات ہی نہ ہوگی بلکہ ایک ایسا خطرناک اور مجرمانہ فعل ہوگا جو اجر وثواب کے بجائے الٹا عذاب اور غضب الہی کا سبب ہوگا۔

ایک موضوع حدیث :۔ کسی غزوہ سے واپس آنے کے بعد آپ نے فرمایا

"رجعنا من الجهاد الاصغرا لی الجهاد الاکبر" ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ بیہقی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ اس کے ایک راوی یحیٰ بن علاء کو ابن حجر نے حدیث گھڑنے والا کہا ہے۔ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے وہ ضعیف راوی ہے۔ یہی بات ابن معین نے کہی ہے دار قطنی نے یحیٰ بن علاء کو متروک الحدیث بتایا ہے۔ احمد بن حنبل نے جھوٹا بتایا ہے۔ حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے۔ علماء کے ان اقوال کے علاوہ اس کا مضمون قرآن سے صریح طور پر ٹکرانے والا ہے

لایستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم و انفسھم علی القاعدین درجتہ وکلاً وعداللہ الحسنی وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجراً عظیما درجات منہ و مغفرۃ ورحمتہ وکان اللہ و غفوراً رحیما (النساء،۹۵-۹۶)

ترجمہ :۔ مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں۔ دونوں کی حیثیت یکساں نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مولانا مفتی شفیع صاحب اس آیت پر لکھتے ہیں :

" علماء تفسیر نے فرمایا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض لوگ اس کو ادا کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جاتے ہیں ۔ بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں مشغول ہیں وہ اس جہاد کے لئے کافی ہوں ۔ اور اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب و جوار کے مسلمانوں پر فرض عین ہو جائے گا کہ مجاہدین کی مدد کریں "۔

" اس آیت میں " وکلاً وعدالله الحسنى " فرما کر ان لوگوں کو بھی مطمئن فرما دیا ہے جو جہاد کے علاوہ دوسری دینی ضرورتوں میں مشغول ہیں ۔ لیکن یہ حکم عام حالات میں ہے جب کہ کچھ لوگوں کا جہاد اسلام کے دشمنوں کی مدافعت کے لئے کافی ہو ۔ اور اگر ان کا جہاد کافی نہ رہے ان کو مزید کمک کی ضرورت ہو تو اول قرب و جوار کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے ۔ وہ بھی کافی نہ ہوں تو ان کے آس پاس کے لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے ۔ اور وہ بھی کافی نہ رہیں تو دوسرے مسلمانوں پر یہاں تک کہ مشرق و مغرب کے ہر مسلمان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس میں شریک ہو ۔

فضائل جہاد

اللہ کی راہ میں مرنا ہی حقیقی زندگی ہے لیکن عام طور سے لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہے۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون (سورۃ البقرہ۔ ۱۵۴)

ترجمہ :۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومن ہی حقیقت میں رحمت خداوندی کے امیدوار ہیں۔

ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدو فی سبیل الله اولئک یرجون رحمة الله والله غفور رحیم (البقرہ۔ ۲۱۸)

ترجمہ :۔ بخلاف اس کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔

ولاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتابل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتھم الله من فضله ویستبشرون بنعمة من الله و فضل وان الله لایضیع اجر المومنین (ال عمران۔ ۱۷۰-۱۷۱)

ترجمہ :۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں

مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوش و خرم ہیں۔

اور وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں اور فرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے شہداء کی ارواح ہری چڑیوں کے پیٹ میں ہوں گی۔ ان کے قندیل "گھونسلے" عرش سے لٹکے ہوئے ہوں گے۔ جنت میں وہ جہاں چاہیں گی پھریں گی۔ پھر ان قندیلوں میں بسیرا کریں گی ان کا رب ان سے فرمائے گا کیا تمہیں کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ جواب دیں گے اے رب ہم کس چیز کی خواہش کریں۔ جنت میں جہاں جی چاہتا ہے ہم پھرتے ہیں۔ ان کا رب تین بار یہ سوال کرے گا۔ آخر میں وہ کہیں گے اے رب ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے۔ یہاں تک کہ ہم دوبارہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں۔

اللہ کی راہ میں لڑنا ایسے لوگوں کا کام ہے جن کے پیشِ نظر صرف خوشنودیِ رب کا حصول ہو۔ اور جو اپنی کامیابی اور خوشحالی کے سارے امکانات قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیاۃ الدنیا بالاخرۃ ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نوتیہ اجراً عظیما

(سورہ نساء ۷۴)

ترجمہ :۔ اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں۔ پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔

خدا کے نزدیک اصل قدر و قیمت خدا کی راہ میں قربانی اور جان لڑانے

کی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو کئی شرف و تقدس پر مبنی مذہبی اعمال بے حیثیت قرار دیئے جائیں گے۔

اجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام کمن آمن بالله واليوم الاخر وجاهد في سبيل الله لايستئون عندالله والله لايهدى القوم الظالمين الذين آمنوا وهاجروا وجاهدوا فی سبيل الله باموالهم وانفسهم اعظم درجة عندالله واولئک هم الفائزون۔ يبشرهم ربهم برحمة منه ورضوان وجنات لهم فيها نعيم مقيم خالدين فيها ابدا أن الله عنده اجر عظيم (سورہ توبہ ۱۹۔ ۲۲)

ترجمہ :۔ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھیرالیاہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں، اللہ کے نزدیک تو دونوں برابر نہیں ہیں۔ اور اللہ ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں تو ان ہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا۔ وہی کامیاب ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت اور خوشنودی اور ایسی جنتوں کی بشارت دیتا ہے۔ جہاں ان کے لئے پائیدار عیش کے سامان ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس خدمات کا صلہ دینے کو بہت کچھ ہے۔

جان و مال کے ساتھ جہاد اللہ کے رسول اور حقیقی مومنوں کی امتیازی شان ہے جنت اور ساری بھلائیوں کے وعدے اسی بناء پر ہیں۔

لکن الرسول والذين آمنوا معه جاهدوا باموالهم وانفسهم اولئک لهم الخيرات واولئک هم المفلحون اعد الله لهم جنات تجری من تحتها الانهار خالدين فيها ذالک الفوز العظيم (سورہ توبہ

(۸۹-۸۸

ترجمہ :۔ بخلاف اس کے رسول نے اور ان لوگوں نے جو رسول کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اب ساری بھلائیاں ان ہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ نے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔

اللہ کی راہ میں مارے جانے والے ہر لحاظ سے کامیاب ہیں۔ یہ خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ نفع کا سودا ہے۔

والذین قتلوا فی سبیل الله فلن یضل اعمالهم وسیهدیهم ویصلح بالهم ویدخلهم الجنة عرفها لهم (سورہ محمد ۴-۶)

ترجمہ :۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا۔ ان کا حال درست کر دے گا۔ اور ان کو اس جنت میں داخل کرے گا۔ جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے۔

دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی کامیابی ایمان کے ساتھ ساتھ جان و مال کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ پر موقوف ہے۔

یاایها الذین امنوا هل ادلکم علی تجارة تنجیکم من عذاب الیم تومنون بالله ورسوله وتجاهدون فی سبیل الله باموالکم وانفسکم ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون یغفر لکم ذنوبکم و یدخلکم جنت تجری من تحتها الانهار و مساکن طیبة فی جنات عدن ذالک الفوز العظیم واخری تحبونها نصر من الله و فتح قریب بشر المومنین (سورہ الصف)

ترجمہ :۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم جانو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرلے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمہیں عطا کرے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمہیں دے گا۔ اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہوجانے والی فتح۔ اے نبیؐ اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا آپ مجھے ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو آپؐ نے فرمایا۔ میں ایسا عمل نہیں پاتا۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم ایسا کرسکتے ہو کہ مجاہد جتنے دن جہاد میں رہے تم اتنے دن مسجد میں جاکر برابر نماز پڑھتے رہو اور مسلسل روزہ رکھتے رہو۔ اس آدمی نے کہا۔ یہ کون کرسکتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے ایک دوسری روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے آپؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال روزہ رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے کی سی ہے اور اللہ نے مجاہد کے لئے یہ ذمہ لے لیا ہے کہ یا تو اسے وفات دے کر اسے جنت میں داخل کرے گا یا اسے صحیح سالم اجر وثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لائے گا۔ یہاں اللہ کو علم ہے کہ فی سبیل اللہ کون جہاد کرنے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت کے ایک درجے میں جن کو اللہ تعالیٰ مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے تیار کیا ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا زمین اور

آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کوئی مرجانے والا بندہ جس کو اللہ کے پاس خیر ملا ہو دنیا کی طرف لوٹنے سے خوش نہ ہوگا خواہ دنیا و مافیہا اسے مل جائے۔ہاں شہید جس نے شہادت کی فضیلت پائی ہے اس کو یہ بات خوش کرے گی کہ اسے دنیا کی طرف لوٹایا جائے اور پھر وہ دوبارہ اسے شہید کیا جائے۔

حضرت ابو ھریرۃؓ سے ایک اور روایت میں ہے کہ فی سبیل اللہ جس کو کوئی زخم لگے گا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو مشک کی خوشبو ہوگی۔

ابو عبیس عبدالرحمن کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جس بندہ کے دونوں قدم غبار آلود ہوں گے اس کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا " واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف " جان لو جنت تلواروں کے سایوں میں ہے۔

حضرت ابو ھریرۃؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے فی سبیل اللہ کوئی گھوڑا پالا اللہ پر ایمان کے ساتھ اور اس کے وعدہ کو سچ مانتے ہوئے تو گھوڑے کا چارہ، پانی، اس کی لید اور اس کا پیشاب روز حشر اس آدمی کے میزان میں ہوگا۔

یہ سب روایتیں بخاری شریف کی ہیں۔

ترک جہاد :۔ جہاد سے کترانا اور جی چرانا نفاق کی علامت ہے۔

لایستاذنک الذین یومنون باللہ والیوم الاخر ان یجاھدوا باموالھم انفسھم واللہ علیم بالمتقین انما یستاذنک الذین لا یومنون باللہ والیوم الاخر وارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یترددون (سورہ

توبہ ۴۴ - ۴۵)

ترجمہ :۔ جو لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو کبھی تم سے یہ درخواست نہ کریں گے کہ انہیں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے ۔ اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے ۔ ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے ۔ جن کے دلوں میں شک ہے اور وہ اپنے شک ہی میں متردد ہو رہے ہیں ۔

فرح المخلفون بمقعدهم خلاف رسول الله وكرهوا ان يجاهدا باموالهم وانفسهم في سبيل الله وقالوا لاتنفروا في الحر قل نار جهنم اشد حراً لوكانوا يفقهون فليضحكوا قليلاً وليبكوا كثيراً جزاءً بما كانوا يكسبون (سورہ توبہ ۸۱ - ۸۲)

ترجمہ :۔ جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسولؐ کا ساتھ نہ دینے اور گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کریں ۔ انہوں نے لوگوں سے کہا کہ "اس سخت گرمی میں نہ نکلو" ان سے کہو کہ جہنم کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے ۔ کاش انہیں اس کا شعور ہوتا ۔ اب چاہیے کہ یہ لوگ ہنسنا کم کریں اور روئیں زیادہ اس لئے کہ جو بدی یہ کماتے رہے ہیں اس کی جزا ایسی ہی ہے ۔

ابن کثیر نے ابو عمران و مسلم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین میں سے ایک صحابی نے قسطنطنیہ میں صف بستہ دشمن پر حملہ کر دیا ، یہاں تک کہ انہیں بکھیر دیا ۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے کہا اس شخص نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ۔ حضرت ابو ایوب انصاری موجود تھے ۔ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ، معرکوں میں حصہ لیا ہماری

تک کہ اسلام غالب ہوگیا۔ ہم نے سوچا اب جنگ کے مواقع ختم ہوگئے لہذا ہم کو اپنے اہل وعیال میں جاکر اطمینان کے ساتھ رہ جانا چاہیے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (البقرہ ۱۹۵)

ترجمہ :۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

معلوم ہوا کہ ہلاکت میں اپنے آپ کو ڈالنا گھر میں بیٹھے رہنا اور ترک جہاد ہے نہ کہ دشمن کی صف میں گھسنا اور ان کو تتر بتر کرنا۔

قرآن ترک جہاد پر کتنے صاف اور شدید انداز میں اخروی اور دنیوی عذاب کی وعید سناتا ہے۔

یاایھا الذین امنوا اذالقیتم الذین کفرو زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحر فالقتال اومتحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ وماوہ جھنم وبئس المصیر (سورہ انفال ۱۵-۱۶)

ترجمہ :۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرلے یا کسی دوسری فوج سے جاملنے کے لیے۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بہت بری جائے بازگشت ہے۔

الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا ...لی کل شیء قدیر (سورہ توبہ ۳۹)

۔ تم نہ اٹھوگے تو خدا تمہیں دردناک سزا دے گا اور ...ٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکوگے وہ ہر چیز

پر قدرت رکھتا ہے۔

زبانِ رسالت سے سنیئے اور کانپ جائیے۔

لئن ترکتم والجهاد واخذتم باذناب البقر۔ وتبايعتم بالعينه۔ ليلزمنكم الله مذلة في رقابكم لاتنفك عنكم حتى تتوبوا الى الله وترجعوا الى ماكنتم عليه۔

ترجمہ :۔ اگر تم جہاد کو چھوڑ دوگے اور گائے کی دم پکڑ لوگے اور۔۔۔۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت لازم کردے گا جو تم سے دور نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اللہ کی طرف توبہ کرو اور اپنی پچھلی حالت پر لوٹ آؤ۔

آپ نے فرمایا۔

من لم يغز اويجهز غازيا اويخلف غازيا في اهله بخير اصابه الله بقارعة قبل يوم القيامة (الفتح الربانی)

ترجمہ :۔ جس نے جنگ نہیں کی اور نہ کسی غازی کو تیار کیا اور نہ کسی غازی کی عدم موجودگی میں اس کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت سے پہلے ایک سخت مصیبت سے دوچار کردے گا

جس فریضہ کی کتاب و سنت میں یہ اہمیت بتائی گئی ہو اور جس کے ترک پر یہ وعیدیں سنائی گئی ہوں اس کو نہ صرف یہ کہ چھوڑا جارہا ہے بلکہ اپنے اس عمل کو شرعی دلائل سے مدلل کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور اگر کچھ دیوانے اس کا تذکرہ کرتے ہیں تو ان کو دین و ملت کا بدخواہ اور علم دین سے بے بہرہ قرار دیا جارہا ہے۔ یہ ہماری فکری اور عملی زبوں حالی کی حد ہے۔ اس کے بعد اگر ہماری مظلومیت بھری آہ آسمان تک نہیں پہنچتی تو کیا تعجب ہے۔

اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے مرض کا جو علاج بتایا اس کو برتنے کے لئے ہم تیار نہیں ۔ ہم کو چٹکلوں کی کھوج ہے ۔ کتاب و سنت نے ہمارے سامنے جو شاہراہ کھول کر رکھ دی ہے اس پر ہم چلنے کے لئے آمادہ نہیں ۔ ہم پگڈنڈیوں کی تلاش میں ہیں ۔ ایسا کیوں ہے ۔ صرف اس لئے ہے کہ ہمیں دنیا سے عشق ہے اہل دنیا سے دوستی ہے اور فی سبیل اللہ مرنے کی لذت سے ناآشنا ہیں ۔ فی سبیل اللہ لذت شوق ہم نے نہیں پائی ہے اس ایمان و یقین سے دور ہیں جو مرنے ہی کو اصل جینا اور کھونے کو پانا باور کراتا ہے ۔

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو روح کو تڑپا دے جو قلب کو گرما دے

حکم جہاد کی تاریخ

اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف زبان سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔

فلاتطع الکافرین وجاھدھم جہاداًکبیراً

ترجمہ :۔ پس کافروں کی اطاعت نہ کرو اور قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کرو۔

ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باقاعدہ منصوبہ کے تحت نہ اقدامی جنگ کی اجازت تھی اور نہ دفاعی جنگ کی ۔ یہ بات یوں نکلتی ہے کہ انفرادی مدافعت اور ہاتھا پائی کے متعدد واقعات ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ مارنے والوں کے سامنے سرجھکادینا مطلوب نہ تھا۔ اپنے طور پر اپنا بچاؤ جو جس طرح کرسکتا تھا کرتا تھا اور ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ ہونے کے خلاف یہ بات نہ تھی بلکہ انفرادی دفاع جائز تھا۔ کم و بیش ۱۳ سال کے بعد باقاعدہ مدافعت یعنی دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ۔ اس موقع پر یہ ذہن میں رہے کہ جس وقت تلوار اٹھانے کی یہ اجازت دی جارہی تھی مسلمانوں کی ساری طاقت مدینہ کے ایک قصبہ میں چند سو افراد پر مشتمل تھی۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی انصرھم لقدیر (سورۃ الحج)

ترجمہ :۔ اجازت دے دی گئی ان کو جن سے کہ جنگ کی جارہی ہے ۔ اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

دفاعی جنگ کا کیا مفہوم ہے ۔ اس کو متعین کرنا ضروری ہے ۔ اس اجازت کے بعد ۱۶ مہینہ کے اندر یعنی جنگ بدر سے پہلے پہلے (۸) آٹھ فوجی مہم کا تاریخ میں ہمیں ثبوت ملتا ہے ۔ بعض میں صرف ۱۲ اصحابہ تھے اور بعض میں دو سو تک لوگ تھے ۔ بعض میں آپ بنفس نفیس شریک رہے اور اکثر میں کسی صحابی کے قیادت میں دستے روانہ ہوئے ۔ مقصد اطراف و اکناف پر رعب ڈالنا اور مشرکین کے مختلف قافلوں کو چیک کر کے یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ہم پہلے کی طرح خاموش نہیں بیٹھیں گے بلکہ ترکی بترکی جواب دیں گے ۔ ان عسکری مہمات میں ٹکراؤ بعض ہی دفعہ ہوا اور وہ بھی معمولی ۔ لیکن اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دفاع کا صرف یہی مطلب نہیں ہے کہ جب دشمن دروازہ پر آجائے تو ڈٹ کر مقابلہ کرو ۔ بلکہ دفاع میں بغرض مدافعت اقدام بھی کرنا پڑتا ہے ۔ دشمن کی سازشوں، کارروائیوں کا پیشگی مطالعہ کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا، دشمن کا تعاقب کرنا، دشمن کی کھوج میں نکلنا اور دشمن کو پسپا کرنے کے لئے تیار اور مستعد رہنا سب دفاع میں شامل ہے ۔

اگر کوئی شخص جنگی تیاری، دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کارروائی، دشمن کے ارادوں اور سازشوں کو معلوم کر کے اقدام کرنے اور ان کا تعاقب کرنے کو دفاعی عمل سے آگے کی چیز سمجھتا ہے تو اسے اس کا جواب دینا ہوگا کہ جنگ بدر سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عسکری مہمات کو کس خانہ میں رکھا جائے گا؟ اس لئے کہ اس وقت تک اقدامی جنگ کی اجازت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا ۔

تیسرے مرحلہ میں ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی جو آمادہ پیکار ہوں ۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ

"لاحتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون" ید کے اصل معنی تو ہاتھ کے ہیں لیکن یہ غلبہ، تسلط اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی ان کی طرف سے یہ ادائیگی جزیہ تمہارے اقتدار و غلبہ کے نتیجہ میں ہو۔ ان سے جنگ کرکے ان کے کس بل اس طرح نکال دو کہ یہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دیں اور ہاتھ باندھ کر جزیہ دینے پر راضی ہوجائیں "وھم صاغرون" یعنی تمہاری ماتحتی و محکومی قبول کریں اور اس کو غنیمت جانیں۔

(اصلاً تو یہاں جو حکم بیان ہوا ہے وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے متعلق ہے لیکن صحابہ کرام کے زمانہ ہی میں یہ مسئلہ بھی طے پاچکا تھا کہ یہی حکم دوسرے غیر مسلموں کا بھی ہے چنانچہ مجوسی کے ساتھ ان کو مشابہہ اہل کتاب قرار دے کر یہی معاملہ کیا گیا جس کی ہدایت یہاں اہل کتاب کے باب میں ہوئی ہے۔ اس باب میں فقہاء میں کوئی اختلاف رائے ہے تو وہ فروعی نوعیت کا ہے (تدبر قرآن)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں :

"یعنی لڑائی کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیرو بن جائیں۔ بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ ان کی خود مختاری و بالادستی ختم ہوجائے۔ وہ زمین پر حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں۔ بلکہ زمین کے نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات متبعین دین حق کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ ان کے ماتحت تابع و مطیع بن کر رہیں"۔

"یہ جزیہ وہ چیز ہے جس کے لئے بڑی بڑی معذرتیں انیسویں صدی عیسوی کے دور مذلت میں مسلمانوں کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ اس دور کی یادگار کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں لیکن خدا کا دین اس سے بالا و برتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت پیش

الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ لڑائی کی غرض وغایت یہ ہے کہ کفار کی خود مختاری اور بالادستی ختم ہو جائے۔ وہ زمین میں حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ زمین کے نظام زندگی کی باگیں اور فرمانروائی و امامت کے اختیارات اہل حق کے ہاتھوں میں ہوں اور کفار و مشرکین ماتحت، تابع اور مطیع بن کر رہیں۔ یہ وہ آخری مرحلہ ہے جس پر حکم جہاد مستقل ہو گیا یعنی اس میں اب کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی نسبت سے کفار کی تین قسمیں ہوں گی۔ محارب معاہد اور اہل ذمہ۔ یہاں یہ نکتہ بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ معاہدہ اور مصالحت محض جائز ہے اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں معاہدہ اور مصالحت کی جا سکتی ہے کسی حال میں ضروری اور فرض نہیں ہے اور جو معاہدہ اور مصالحت بھی ہوگی وہ مطلق اور بے مدت نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی ایک مدت متعین ہوگی۔ اس رخ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کفار کی مستقل دو ہی قسم ہے محارب یا اہل ذمہ، دوسری کوئی بھی قسم اور حیثیت استثنائی اور عارضی ہوگی۔

ایک درجن سے زیادہ علماء تفسیر کی رائے کے مطابق آخری مرحلہ نے سابقہ تمام مرحلوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ بعض اسلاف نے اس پر اجماع کا بھی دعوی کیا ہے۔ اسی کے ساتھ سلف صالحین میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ حالات کے تحت پچھلے مرحلہ والی آیات پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض نے نسخ کے قائلین پر نقد بھی کیا ہے اور بعض نے نسخ کا معنی یہ بتایا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ ان آیات پر کبھی عمل ہی نہیں کیا جا سکتا۔

ان مختلف رایوں کے درمیان کوئی تصفیہ کرنا ہمہ شما کے بس سے باہر ہے۔ البتہ اتنی بات پورے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جس طرح شریعت کے دوسرے احکام میں اعتبار آخری مرحلہ کا ہوتا ہے اسی طرح اس

باب میں بھی اعتبار آخری مرحلہ کا ہونا چاہیئے - رہے دوسرے مرحلے تو وہ بدرجہ مجبوری حد جواز میں آسکتے ہیں استثنائی اور عارضی حالات میں ان کو لیا جاسکتا ہے - مستقل اصول کی حیثیت سے ابتدائی مرحلوں کو نہیں اپنایا جاسکتا مثلاً حرمت شراب کا آخری مرحلہ اصل ہے - صوم و صلوۃ کی فرضیت کا آخری مرحلہ اصل ہے - ان کے ابتدائی مراحل کو اصل نہیں قرار دیا جاسکتا - الا یہ کہ بعض عوارض اور مجبوریوں کے تحت ابتدائی مرحلہ کو اختیار کیا جاسکتا ہے جیسے عارضہ سفر پیش آنے کی صورت میں نماز چار کے بجائے دو رکعت پڑھی جائے گی اور روزے ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں رکھے جائیں - اس موقع پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آخری مرحلہ کے لئے اصلاً بہت زیادہ دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ابتدائی مراحل کو اختیار کرنے کے لئے دلیل اور حجت کی زیادہ ضرورت ہونی چاہیے - مگر یہ عجیب تماشہ ہے کہ ابتدائی مراحل میں سے کسی ایک مرحلہ کو اپنانے کے لئے لوگ دلیل کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ بلا دلیل ان کو اپنا ناعین تقاضائے شریعت سمجھتے ہیں اور آخری اور مستقل مرحلہ کے واسطے انہیں کوئی دلیل نظر نہیں آتی ہے -

خرد کو کہہ دیا جنوں اور جنوں کو خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جہاد کی دو قسمیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں - دونوں کے احکام الگ الگ ہیں - پہلی قسم یہ ہے کہ مسلمان اقدام اور پہل کریں اور دشمن کی سرحد میں جنگ ہو - یہ اقدام کرنے سے پہلے جمہور فقہاء کے نزدیک کفار کو اسلام کی دعوت دینا

منی دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام وحسابهم علی الله۔

ترجمہ :۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پس جب یہ کریں گے تو وہ اپنی جان اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے حوالہ ہے۔

آپ نے فرمایا

بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی لیعبد الله تعالیٰ وحدہ لاشریک له وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذل والصفار علی من خالف امری۔

ترجمہ :۔ قیامت کے سامنے مجھے تلوار کے ساتھ یہاں تک کہ اللہ کی تنہا عبادت کی جائے اس حال میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں بنایا گیا اور ذلت اور رزالت میرے مخالفین کے مقدر کر دی گئی ہے۔

حضرت جبیرؓ کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں بلایا اور ہم پر نعمان بن مقرن کو امیر بنایا کر روانہ کیا۔ جب ہم دشمن کی سرزمین پر پہنچے تو کسری کا گورنر چالیس ہزار فوج کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ان کا ترجمان آگے بڑھ کر بولا۔ تم میں کا کوئی آئے اور مجھ سے بات کرے۔ حضرت مغیرہ نے کہا۔ کیا معلوم کرنا چاہتے ہو پوچھو۔ اس نے سوال کیا تم کون ہو۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا۔ ہم عرب لوگ ہیں۔ ہم انتہائی بدبختی اور مصیبت میں تھے جانوروں کا چمڑہ اور کھجور کی گٹھلی بھوک میں چوستے تھے جانوروں کے بال کا لباس پہنتے تھے۔ پتھر اور جھاڑ کو پوجتے تھے۔ اسی اثناء میں رب کائنات نے

قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے ۔ ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا اله الا وان محمداً رسول الله ویقیموا الصلوة ویوتوا الزکاة فاذا فعلوا عصموا منی وماهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی الله (مسلم شریف)

ترجمہ :۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں ۔ پس جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جان اور مال بچالیں گے الا یہ کہ اسلام کا حق ہے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے ۔

دوسرا ارشاد ہے

من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه مات علی شعبة من نفاق (مسلم شریف)

ترجمہ :۔ جو مر گیا اس حال میں کہ اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ جہاد کی آرزو کی وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا ۔

اس طرح کی بہت ساری نصوص شرعیہ کی بناء پر جہاد کی یہ قسم اکثر علماء و فقہاء کے نزدیک فرض کفایہ ہے ۔ وجوب جہاد کے سلسلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال پیش کرنے کے بعد حسن البناء رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

فهاانت ذاتری من ذالک کله کیف اجمع اہل العلم مجتهدین ومقلدین سلفیین وخلفیین علی ان الجهاد فرض کفایه علی الامة الاسلامیه نشر الدعوة

ترجمہ :۔ پس ہاں تم ان تمام سے دیکھتے ہو کہ کس طرح اہل علم، خواہ وہ مجتہد ہوں یا مقلد پہلے کے لوگ ہوں یا بعد کے۔ سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ جہاد ملت اسلامیہ پر اشاعت دعوت کی غرض سے فرض کفایہ ہے۔

علامہ کاسانی کہتے ہیں۔

جہاد فرض کفایہ ہے اس لئے کہ اس کی غرض اشاعت اسلام، اعلاء کلمۃ اللہ، کفار کے شر کو دفع کرنا اور انہیں زیر کرنا ہے یہ مقصد کچھ لوگوں کے ذریعہ حاصل ہوجائے گا۔ ابن ھمام نے فتح القدیر میں فرمایا ہے جہاد فرض کفایہ ہے کیونکہ وہ فرض ہے فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اس فرض کو ادا کررہے ہوں تو بقیہ لوگوں سے بھی فرض ساقط ہوجائے گا۔ لیکن یہاں یہ بات بہت ہی قابل لحاظ ہے کچھ افراد کی محض ادائیگی فرض کی کوشش کافی نہیں ہے بلکہ بقیہ لوگوں سے فرض اسی وقت ساقط ہوگا جب کہ کچھ افراد کی سعی مقصد جہاد کو پورا کررہی ہو۔

حاشیہ ابن عابدین میں اسی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وایاک ان تتوھم ان فرضتیہ تسقط عن اھل الھند بقیام اھل الروم مثلاً بل یفرض علی الاقرب فالا قرب من العدوا لی ان تقع الکفایہ فلولم تقع الایکل الناس فرض عینا لصلوٰۃ وصوم۔

ترجمہ :۔ یعنی تم یہ خیال چھوڑ دو کہ مثلاً اہل روم کے قیام سے اہل ہند سے جہاد کی فرضیت ساقط ہوجائے گی۔ بلکہ دشمن سے قریب سے قریب تر پر جہاد فرض ہوگا یہاں تک کہ کفایت حاصل ہوجائے اگر کفایت حاصل نہ ہوسکے مگر تمام لوگوں کے ذریعہ تو جہاد، نماز اور روزہ کی طرح فرض عین ہوجائے گا۔

یہاں واضح رہنا چاہیے کہ بعض سلف سے جہاد کے مستحب ہونے کا قول بھی ملتا ہے لیکن محققین علماء نے کہا ہے کہ بعض سلف کے قول سے مستحب ہونے کا جو گمان ہوتا ہے وہ محض گمان ہی ہے، صحیح نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ کئی اسلاف ایسے بھی ہیں جو حکم جہاد پر مشتمل آیات اور احادیث سے فرض عین ہونے کی بات کہتے ہیں۔

علامہ ابن حجر نے کہا ہے جنس جہاد ہر مسلمان پر فرض عین ہے یعنی کسی نہ کسی شکل میں جہاد کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ہاتھ سے نہیں تو زبان سے یا مال سے یا دل سے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دل سے، یا زبان سے یا مال سے یا ہاتھ سے جہاد فرض عین ہے۔ لیکن جان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔

سورہ صف میں دیکھئے کتنے واضح انداز میں دوزخ سے نجات، مغفرت کے حصول، جنت میں دخول اور پھر ساتھ ہی دنیاوی فتح اور کامرانی کو ایمان اور جہاد سے جوڑ دیا گیا ہے اور سورہ توبہ آیت انفروا خفافا وثقالا ئیں کتنی شدت کے ساتھ جہاد میں نکلنے کی تاکید کی گئی ہے۔

اس طرح کی آیات کی روشنی میں بعض اسلاف کی عجیب و غریب کیفیت سامنے آتی ہے۔ فرض عین اور فرض کفایہ کے قانونی انداز میں نہ سوچ کر جیسے اصل روح کو انہوں نے اپنا لیا ہو۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب جہاد کے لئے نکل پڑے اس حال میں کہ ان کی ایک آنکھ ضائع ہو چکی تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا آپ بیمار ہیں معذور ہیں۔ کیوں زحمت کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہلکے اور بوجھل سب کو نکلنے کو فرمایا ہے۔ اگر میں جنگ نہ کر سکوں گا تو تعداد میں اضافہ کروں گا، سامان کی دیکھ بھال کروں گا۔ طبری نے نقل کیا ہے کہ حضرت مقداد بن اسود بہت

ہوئے تھے تابوت سے باہران کا جسم ہورہا تھا۔ لوگوں نے کہا آپ کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا ہے تو جواب دیا ہم ہی پر **انفرو اخفافا وثقالا** کی آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابو طلحہ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا۔ اللہ نے جہاد میں ہلکے اور بوجھل ہر حالت میں جانے کا حکم دیا ہے۔ میرے لیئے سامان سفر تیار کرو۔ بیٹوں نے کہا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا۔ حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کے ہمراہ ہو کر جہاد کیا اب ہم لوگ آپ کی طرف سے جہاد کریں گے۔ لیکن وہ نہ مانے اور بغرض جہاد بحری سفر پر نکل پڑے اور اسی سفر میں انتقال کر گئے۔ ان کو دفن کے لئے جگہ نو دنوں کے بعد بڑی مشکل سے ملی۔ اور نو دنوں تک میت میں کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔

یہ واقعات دراصل انسانی فطرت کے ایک پہلو کو واضح کرتے ہیں کہ معاشرہ میں ہمیشہ کچھ افراد ہوتے ہیں جو اپنے جذبہ، اپنے حوصلہ اور اپنے احساس میں عام لوگوں کے مقابلہ میں بہت آگے ہوتے ہیں اور فکر و عمل دونوں میں ممتاز اور نمایاں ہوتے ہیں۔

فرض عین اور فرض کفایہ کے مسئلہ کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جہاں جہاں سربکف اور سر فروشوں کی ضرورت ہے وہیں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو پیچھے رہ کر دوسرے محاذوں پر مستعد رہتے ہوئے محاذ جنگ پر مجاہدین کو مدد پہنچائیں۔ گویا میدان جنگ سے دور ہوتے ہوئے میدان جنگ میں ہیں۔ ان کے لئے بھی حسنیٰ کا وعدہ ہے خواہ مجاہدین کے برابر نہ ہوں۔

وکلاً وعداللہ الحسنی وفضل اللہ المجاہدین علی القاعدین اجراً عظیما (سورۃ النساء ۹۵)

ترجمہ :۔ اگرچہ ہر ایک کے لئے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اس کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔

اسی زمرہ میں ان لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے جو علمی، تحقیقی اور ذہنی و فکری کاموں میں مصروف رہ کر مجاہدین کو تقویت پہنچارہے ہوں۔ یہی بات آیت ۱۲۲ سورۃ توبہ میں کہی گئی ہے۔

وما کان المومنون لینفروا کافۃ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون

ترجمہ :۔ اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہل ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے، مگر ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کی آبادی کے ہر حصہ میں سے کچھ لوگ نکل کر آتے اور دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنے علاقے کے باشندوں کو خبردار کرتے تاکہ وہ (غیر مسلمانہ روش سے) پرہیز کرتے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی لحیان کو کہلا بھیجا کہ ہر دو آدمی میں سے ایک نکلے۔ مزید فرمایا کہ تم میں کا جو شخص نکلنے والے کے مال و جائداد اور اہل و عیال کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے گا اس کو نصف ثواب ملے گا۔

صحیح مسلم کی ایک اور بھی روایت ہے آپ نے فرمایا :

فمن جھز غازیا فی سبیل اللہ فقد غزا ومن خلفہ فی اھلہ بخیر فقد غزا۔

ترجمہ :۔ پس جس نے کسی غازی کو تیار کیا اللہ کے راستہ میں

اس نے جہاد کیا اور جس نے غازی کی قائم مقامی کی اس کے اہل و عیال میں اس نے جہاد کیا۔

مسئلہ کے اس پہلو سے ان لوگوں کے لئے کوئی چھوٹ اور گنجائش نہیں ملتی جو دوسرے محاذوں پر کام کررہے ہیں لیکن میدانی جہاد کو بے وزن بنا رہے ہوں اور سرفروشوں کی حوصلہ شکنی کررہے ہوں اور اس اصل جہاد کو بے وقت کی راگنی اور دین و ملت کے لئے نقصان خیال کرتے ہوں اور جہاد کا لفظ سنتے ہی جن کی تیوری پر بل آجاتا ہو۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ کتاب و سنت کے نصوص، زمانہ کے دباؤ سے الگ ہوکر پڑھیں اور دیکھیں اور اپنے اعمال خیر کو اکارت ہونے سے بچائیں اور میدان میں نہ جاکر بھی میدان کا ثواب حاصل کریں۔ حتیٰ الوسع مجاہدین کے لئے تقویت کا سبب بنیں اور جہاد میں عدم شرکت کو اپنی بد نصیبی تصور کریں۔

جہاد ایک قرآنی اصطلاح ہے قرآن میں جہاد کا صریح حکم ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں جہاں کی کامرانی اور کامیابی کا سررشتہ ایمان اور جہاد سے جوڑ دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک جاری رہنے والا فریضہ بتایا ہے ایسی حالت میں لفظ جہاد سے تنفر اور ناپسندیدگی کا اظہار نہایت ہی سنگین جرم ہوگا۔ ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص جہاد کا معنی اور مفہوم کچھ کا کچھ بتائے یا کوئی شخص یہ کہے کہ جہاد کے شرائط یہ ہیں اور وہ ہیں جو پورے نہیں ہوتے۔ لیکن اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ زمانہ کے دباؤ کی بناء پر لفظ جہاد سے کسی مسلمان کو کراہت اور الرجی ہونے لگے۔ کیونکہ لفظ جہاد کے ساتھ ایک فریضہ مسلمانوں پر بالکل اسی طرح عائد کیا گیا ہے جس طرح صلوۃ، زکوٰۃ اور حج و صوم کے نام سے مسلمانوں پر کچھ مخصوص اعمال فرض کیے گئے ہیں۔

تفسیر قرطبی میں ہے۔

والتشاقل عن الجهاد مع اظهار الکراهة حرام (قرطبی ۸-۱۴۱)

ترجمہ :۔ اظہار ناپسندیدگی کے ساتھ جہاد سے پہلو تہی کرنا حرام ہے۔

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ کفار کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں تو ان سے جنگ کرنا فرض ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرض کیسے ادا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کا فتنہ جب تک زمین پر باقی ہے اور جب تک زمین کے چپہ چپہ پر اسلام کا غلبہ نہیں ہو جاتا حتی کہ ایک بالشت بھی زمین مشرک کے قبضہ میں ہے اس وقت تک جہاد کا فریضہ باقی رہے گا۔ اس فریضہ کی ادائیگی کی صورت یہی بنتی ہے کہ جس طرح تقویٰ حسب استطاعت اختیار کرنے کا حکم ہے اس طرح جہاد بھی استطاعت کے مطابق کرنا ہے اور کرتے رہنا ہے۔ لیکن امت کے ایک طبقہ علماء نے اس کی تحدید کردی ہے کہ سال میں ایک بار ضرور جہاد کیا جائے۔ اس بات کو قرطبی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

قسم ثان من واجب الجہاد فرض ایضا علی الامام اغزاء طائفة الی العدو کل سنتہ مرة یخرج معھم بنفسہ او یخرج من یثق بہ لیدعوھم الی الاسلام ویرغبھم ویکف اذاھم ویظھر دین اللہ علیھم حتی یدخلوا فی الاسلام او یعطوا الجزیة عن ید وھم صاغرون (قرطبی ۸-۱۵۲)

ترجمہ :۔ واجب جہاد کی دوسری قسم، امام پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ ہر سال ایک مرتبہ ایک گروہ کو دشمن کی طرف لڑنے کے لئے لے جائے۔ ان کے ساتھ بذات خود جائے یا اپنے معتمد آدمی کو بھیجے۔ دشمنوں کو اسلام کی دعوت دے۔ ان کو دبائے اور ان کی اذیت کو روکے اور ان کے اوپر

دین کو غالب کرے ۔ یہاں تک کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں ۔

یہ علامہ قرطبی نے گویا استطاعت کی کم از کم ایک حد متعین کر دی ہے اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ دونوں رائیں باہم متصادم نہیں ہیں ۔

مقاصد جہاد

جہاد کا نام سنتے ہی بعض لوگ اس لئے چونک جاتے ہیں کہ غیر شعوری طور پر ان کے ذہن میں دعوت اور جہاد دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔ گویا جہاد کا تصور آتے ہی دعوت کا تصور ختم ہو جاتا ہے ۔ حالانکہ اصل واقعہ ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ جہاد، دعوت کی اعلیٰ شکل ہے ۔ اکثر احکام اپنے آغاز میں جس شکل میں تھے آخر میں وہ شکل کسی نہ کسی لحاظ سے بدل گئی ۔ نماز، روزہ اور زکوۃ کی شکل شروع میں کچھ تھی اور آخر میں کچھ ہو گئی ۔ اسی طرح دعوت کا حکم بھی تصور جہاد سے مل کر اپنی آخری اور اعلیٰ شکل کو پہنچا ہے ۔ اب جہاد کا تصور ذہن سے نکال کر دعوت، کا تصور ناقص تصور ہوگا ۔ شوق شہادت کے جذبات سینوں میں پرورش نہ کرتے ہوئے دعوت کے عمل کو دعوت اسلامی کا نام دینا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص بس صبح وشام دو دو رکعت پڑھ لے اور کہے کہ میں نمازی ہوں اور اس میں سلام وکلام کا سلسلہ جاری رکھے اور کہے کہ اس کا بھی ثبوت ملتا ہے ۔

جہاد کا مقصد ملک گیری، کسی نسل اور قوم کی بالادستی اور حکومت دوسری نسل و قوم پر قائم کرنا نہیں ہے ۔ کسی ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ سے بڑھانا بھی نہیں ہے بلکہ نیکی کو برائی پر، خیر کو شر پر بڑھاوا دینا ہے، فساد کو ختم

کرنا اور انسان کو صرف اللہ کا تابعدار اور بندہ بنانا اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کرنا ہے ۔ اللہ کے علاوہ خدائی کے تمام دعویداروں کی خدائی کا خاتمہ کرنا ہے اس لئے کہ سارے فساد کی جڑ انسان پر انسان کی خدائی اور حاکمیت ہے ۔ چنانچہ جہاد کی غرض قرآن نے یوں بیان کی ہے :

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ فان انتھو افلا عدوان الا علی الظالمین (سورہ بقرہ ۱۹۳)

ترجمہ :۔ تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے ۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں ۔

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر (بقرہ ۱۳۹)

ترجمہ :۔ ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ فتنہ سے رک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے ۔

ارشاد رسول ہے

من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھو فی سبیل اللہ

ترجمہ :۔ جو جنگ کرے اس لئے کہ اللہ کا حکم بلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے ۔

آپ نے فرمایا ۔

امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویوتوا الزکوۃ فاذا فعلوا ذالک عصموا

منى دماءهم واموالهم الا بحق الاسلام و حسابهم على الله۔

ترجمہ :۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں پس جب یہ کریں گے تو وہ اپنی جان اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے مگر اسلام کے حق کے ساتھ اور ان کا حساب اللہ کے حوالہ ہے۔

آپ نے فرمایا

بعثت بين يدى الساعة بالسيف حتى ليعبد الله تعالىٰ وحدہ لاشریک له وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذل والصغار على من خالف امری۔

ترجمہ :۔ قیامت کے سامنے مجھے تلوار کے ساتھ یہاں تک کہ اللہ کی تنہا عبادت کی جائے اس حال میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں بنایا گیا اور ذلت اور رزالت میرے مخالفین کے مقدر کر دی گئی ہے۔

حضرت جبیرؓ کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ہمیں بلایا اور ہم پر نعمان بن مقرن کو امیر بنایا کر روانہ کیا۔ جب ہم دشمن کی سرزمین پر پہنچے تو کسریٰ کا گورنر چالیس ہزار فوج کے ساتھ ہمارے مقابلہ میں آیا اور ان کا ترجمان آگے بڑھ کر بولا۔ تم میں کا کوئی آئے اور مجھ سے بات کرے۔ حضرت مغیرہ نے کہا۔ کیا معلوم کرنا چاہتے ہو پوچھو۔ اس نے سوال کیا تم کون ہو۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا۔ ہم عرب لوگ ہیں۔ ہم انتہائی بدبختی اور مصیبت میں تھے جانوروں کا چمڑہ اور کھجور کی گٹھلی بھوک میں چوستے تھے جانوروں کے بال کا لباس پہنتے تھے۔ پتھر اور جھاڑ کو پوجتے تھے۔ اسی اثناء میں رب کائنات نے

ہماری طرف ہمارے ہی لوگوں میں سے ایک آدمی کو نبی بنا کر بھیجا۔ جس کے حسب و نسب کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں اللہ کے اس نبی نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو۔ یا پھر جزیہ ادا کرو۔ اس نبی نے ہمارے رب کا یہ پیغام ہم تک پہنچایا ہے کہ اس راہ میں ہم میں سے جو مارا جائے گا وہ سیدھے جنت میں جائے گا اور جنت کی نعمتیں ایسی ہوں گی جن کی کوئی مثال نہیں اور ہم میں سے جو باقی بچے گا وہ تمہاری گردنوں کا مالک بن جائے گا۔ (بخاری)

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو رستم کے پاس بھیجا۔ حضرت ربعی پہنچے تو رستم تاج پہنے ہوئے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلسہ گاہ حریر و دیبا کے قالینوں سے سجی ہوئی، قیمتی موتی اور یاقوت نمایاں انداز میں جڑے ہوئے تھے اور ہر طرف کمال درجہ کی زیب و زینت کا اہتمام تھا۔ جب کہ حضرت ربعی معمولی کپڑے میں تھے محض ایک تلوار اور ایک تیر کش ساتھ میں تھا۔ سواری کا گھوڑا بھی پستہ قد تھا۔ گھوڑے سے اترے بغیر فرش کو روندتے ہوئے دربار میں جا دھمکے۔ پھر جب گھوڑے سے اترے تو گھوڑے کو ایک ستون سے باندھ کر ہتھیار بند زرہ اور خود کے ساتھ رستم کی جانب بڑھنے لگے۔ درباریوں نے کہا ہتھیار اتار دو۔ حضرت ربعی نے کہا۔ میں خود آیا نہیں ہوں۔ تمہاری دعوت پر آیا ہوں۔ اگر تمہیں میری حالت منظور نہیں ہے تو میں واپس چلا جاؤں گا۔ رستم نے کہا۔ چھوڑ دو، آنے دو اس کے بعد حضرت ربعی اپنے نیزہ پر ٹیکہ دیتے ہوئے آئے۔ جس سے فرش میں سوراخ پڑ گئے۔ وہاں حضرت ربعی سے سوال کیا گیا۔ تم کس مقصد سے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ ہم اللہ کے بندوں کو دوسرے بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لے جائیں۔

دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف پہنچائیں اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل میں داخل کریں ۔ اس نے اپنا دین دے کر ہمیں اپنی مخلوق کی جانب بھیجا ہے کہ ہم ان کو اس کے دین حق کی طرف دعوت دیں جو قبول کرے ۔ ہم بھی اسے قبول کریں اور پھر واپس چلے جائیں ۔ اور جو انکار کرے ہم اس سے جنگ کرلیں ۔ یہاں تک کہ اللہ کے وعدہ تک ہم پہنچ جائیں ۔ سوال کیا گیا وہ وعدہ کیا ہے ۔ جواب دیا ۔ اس کا وعدہ ہے کہ انکار کرنے والوں سے جنگ کرتے ہوئے جو مارا جائے ۔ اس کے لئے جنت ہے اور جو باقی بچ جائیں ان کے لئے فتحیابی ہے ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں

فرضیت جہاد کی دو غرض ہے اول یہ کہ مسلمانوں کے لئے جن دشمنوں سے خطرہ ہے ان کے بالمقابل ایسے لوگ آجائیں جو ان کو روک دیں ۔ دوسری غرض یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے جو لوگ با استطاعت ہیں وہ لڑتے رہیں یہاں تک کہ بت پرست ایمان لائیں یا اہل کتاب جزیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں ۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں قتال کی فرضیت سے مقصود دین حق کو باعزت بنانا اور مشرکین کو مقہور کرنا ہے ۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں جہاد سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا حکم بلند ہو اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو کر رہ جائے ۔ اس کے تقاضے میں کفر اور اہل کفر کا ذلیل ہونا اور چھوٹے بن کر رہنا شامل ہے نیز جزیہ دینا اس میں داخل ہے اس کے برخلاف اگر ان کو عزت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنا دین اپنی مرضی کے مطابق قائم کریں اور ان کا دبدبہ اور شوکت برقرار رہے تو یہ جہاد کے مقصود سے ٹکرانے والی بات ہے ۔

علامہ ابن عبد لبر کہتے ہیں تمام اہل کفر سے لڑا جائے مگر یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔ یا وہ جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں یہ ہے جہاد کا اصلی اور بنیادی مقصود، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل ذیلی مقاصد بھی ہیں۔

(۱) مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں کو روکنا۔ ارشاد ربانی ہے

ومالکم لاتقاتلون فی سبیل الله والستضعض من الرجال اولنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من هذه القریة الظالم اهلها واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک لضیرا (سورۃ النساء

ترجمہ :۔ اور آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی اور مددگار پیدا کر دے۔

(۲) فتنہ کو ختم کرنا تاکہ اللہ کے بندے آزادی کے ساتھ اسلام کے محاسن دیکھ اور سمجھ سکیں اور اللہ کی راہ پر چلنے میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

وقاتلوهم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کله لله

ترجمہ :۔ تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

تفسیر قرطبی میں ایک روایت ہے کہ ایک مسلمان عورت سواری پر جا رہی تھی۔ ایک ذمی نے اس سواری کو بدکا دیا۔ جس کی وجہ سے عورت گر گئی اور اس کی بے ستری ہو گئی۔ وہ ذمی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضرت عمرؓ نے اس کو سولی پر لٹکانے کا حکم دے دیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ دور رسالت میں پیش آیا تھا۔ یہودی قبیلہ بنی قینقاع کے ایک شخص نے مسلمان عورت کا کپڑا کھول دیا تھا۔ یہ منظر وہاں موجود ایک مسلمان برداشت نہیں کر سکا چنانچہ اس نے اس یہودی کو قتل کر دیا لیکن اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ نہ تو یہ فرمایا کہ اتنے چھوٹے جرم پر قتل کی سزا کیوں دی اور نہ یہ کہا کہ اس نے قانون کو اپنے ہاتھ میں کیوں لیا بلکہ اس واقعہ کو آپ نے خود اتنی اہمیت دی کہ اس کے بعد قبیلہ بنی قینقاع کو مدینہ سے جلاوطن ہونا پڑا۔

اشاعت دین میں جہاد کا اثر

ایک عرصہ سے یہ سوال جواب طلب رہا ہے کہ اسلام دلیل اور اخلاق سے پھیلا یا تلوار سے۔ بڑی عیاری کے ساتھ دشمنان اسلام مستشرقین نے یہ سوال اٹھاکر اہل اسلام کو مجرم کے کٹھرے میں کھڑا کردیا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اسلام میں کوئی معقولیت نہیں ہے اور نہ اس میں لوگوں کے لئے کوئی اپیلنگ ہے۔ اور اسلام کے نام لیوا اخلاق وانسانیت سے خالی ہوتے ہیں۔ انہوں نے بہت ہی زور شور سے پروپگنڈہ شروع کیا کہ اسلام محض تلوار کے زور پر پھیلا۔

یہ عجیب، تماشا ہے کہ انہیں میں سے بعضوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق اور تبلیغ سے پھیلا ہے یہ دونوں باتیں کہنے والے دو رخ سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے تھے۔ لیکن ہم نے سمجھا کہ تبلیغ کو ذریعہ بتانے والے حق پسند حق گو اور ہمارے ہم خیال ہیں۔ حالانکہ ایک گروہ اسلام کو خونخوار مذہب بتاکر بدنام کررہا تھا تو دوسرا گروہ یہ کوشش کررہا تھا کہ مسلمانوں کے اندر سے روح جہاد کو نکال دیا جائے تاکہ مسلمان وعظ و پسند سے آگے نہ بڑھے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاج خانقاہی میں اسے

مغرب سے مرعوبیت کی بنا پر اعداء اسلام کی طرف سے اس قسم کی ابلیسی چالوں کو عموماً سمجھا نہیں گیا۔ حالانکہ قرآن کی آیات، رسول اکرم کے ارشادات، اور تاریخی شواہد یہ سمجھنے کے لئے کافی موجود تھے کہ اسلام کا پورا

نظام سراسر مطابق عقل ہے ۔ فطرت انسانی کی پکار کا جواب ہے ۔ اور انسان کی روحانی اور مادی دونوں ضرورتوں کی تکمیل کا سامان اس کے اندر موجود ہے

اسلام نے روحانیت اور مادیت دونوں پہلوؤں کا جس طرح صحیح توازن کے ساتھ لحاظ کیا ہے ۔ اسی طرح اپنے پیغام کے ارسال اور اشاعت کے لئے افہام و تفہیم، موعظت اور نصیحت اور عملی نمونہ کے ساتھ ساتھ حدود و تعزیرات اور قوت و طاقت کے استعمال کا حکم بھی ہنایت ہی عدل و انصاف اور احترام انسانیت کا لحاظ کرتے ہوئے دیا ہے ۔ دیکھئے معابد اور مساجد کی حفاظت کے لئے کس طرح ٹکراؤ اور تصادم کو ذریعہ بنانے کی بات قرآن میں کہی گئی ہے ۔

لولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع و بيع و صلوات و مساجد يذكر فيها اسم الله كثيرا ۔ (الحج ۔ ۴۰)

ترجمہ :۔ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے سب مسمار کر ڈالی جائیں ۔

یعنی یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے دفع کرتا رہتا ہے ورنہ اگر ایک ہی گروہ کو کہیں اقتدار کا سپٹہ مل گیا ہوتا تو قلعے اور قصر اور ایوان سیاست اور صنعت و تجارت کے مرکز ہی تباہ نہ کردئے جاتے بلکہ عبادت گاہیں تک دست درازیوں سے نہ بچتیں ۔

اذا جاء نصر الله والفتح ورايت الناس يدخلون في دين الله افواجا ۔

اس آیت کے تحت ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اہل عرب اس انتظار میں تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل مکہ کی کشمکش کا انجام کیا ہوتا ہے چنانچہ مکہ فتح ہوتے ہی پورا عرب جیسے دوڑ پڑا اور پھر دو سال کے اندر سارا عرب اسلام کے زیر نگیں ہوگیا۔ غالباً تین ہجری میں غزوہ احد کے قریبی زمانہ میں بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کی مردم شماری کا حکم فرمایا۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی تو پندرہ سو کی تعداد معلوم ہوئی۔ اس موقع پر صحابہ نے عرض کیا کہ کیا آپ کو اندیشہ ہے؟ ہم نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جبکہ نماز بھی ڈرتے ڈرتے ہم میں کا کوئی پڑھتا۔ اب تو ہم ڈیڑھ ہزار ہیں۔

اس کے بعد بڑی تیزی کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ غزوہ تبوک میں اسلامی فوج تیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ حجۃ الوداع میں تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار لوگوں نے آپ کے ساتھ حج ادا کیا اور آپ کے ساتھ شریک حج نہ ہونے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ مکہ میں آپ ۱۳ سال دعوت دیتے رہے۔ شق القمر اور واقع معراج جیسے معجزات بھی لوگوں کے سامنے آئے۔ لیکن ایمان لانے والوں کی تعداد ایک سو تک بھی نہیں پہنچی۔ لیکن حکم جہاد کے بعد دس سال کے اندر اسلام غالب آگیا۔ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے اعلان فرمایا کہ کل جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اسے محبوب رکھتا ہے جس کے ہاتھ پر اللہ فتح نصیب فرمائے گا۔ لوگ اشتیاق میں تھے کہ جھنڈا کس کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے دن آپ نے پوچھا علی کہاں ہیں، لوگوں نے بتایا، اے اللہ کے رسول ان کی آنکھیں آشوب میں ہیں۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بلوا بھیجا۔ حضرت علیؓ آئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگادیا۔ وہ ایسے

ہوگئے جیسے کبھی تکلیف میں تھے ہی نہیں ۔ آپ نے جھنڈا ان کے حوالہ فرمایا ۔ حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا ۔ کیا میں اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ ہمارے جیسے مسلمان نہ ہوجائیں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا ۔ سیدھے ان کے علاقہ میں پہنچو ۔ ان کو اسلام کی طرف دعوت دو اور اللہ کی جانب سے عائد کردہ حقوں سے باخبر کرو ۔

اللہ کی قسم یہ بات کہ اللہ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو راہ ہدایت پر لائے ۔ سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے ۔

یہ محض وعظ نہ تھا بلکہ قوت آمیز دعوت تھی جس کی تاثیر کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا ۔ اگر طاقت اور تلوار دعوت الی اللہ میں موثر نہ ہوتی تو آپ حضرت علیؓ کو فوج کا جھنڈا تھما کر دعوت کا حکم نہ فرماتے ۔
